ڈھل گئی ہجر کی رات
سمیرا شریف طور

مٹھی میں کائنات بڑی دیر تک رہی
میری طرف حیات بڑی دیر تک رہی
ڈھلنے لگی تھی رات کہ تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بڑی دیر تک رہی

یہ دل یہ پاگل دل میرا کیوں بجھ گیا آوارگی
اس دشت میں ایک شہر تھا وہ کیا ہوا آوارگی......!

وہ گھاس پر ٹہلتے ٹہلتے ایک دم چونک گئی۔ یہ آواز اسے گیٹ کے پاس بنے سلطان بابا کے چھوٹے سے کوارٹر میں سے آ رہی تھی۔ سلطان بابا ریڈیو کے بڑے شوقین تھے ان کے ریڈیو پر ہر وقت کوئی نہ کوئی اسٹیشن چل رہا ہوتا تھا۔ یہ آواز بھی شاید اسی سلسلے کی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی، سلطان بابا کے کوارٹر کے قریب چلی آئی۔ سلطان بابا کی پشت اس کی طرف تھی، ریڈیو کان سے لگائے بڑے وہ مسرور انداز میں سر دھن رہے تھے۔

حمدہ لب بھینچے واپس پلٹی تو اماں زلیخا تیزی سے اندرونی سیڑھیاں اترتے اسی طرف آتی دکھائی دیں۔

"تسی حمدہ پتر اتھے او...... میں تہانوں اندر ہر پاسے دیکھ آئی......" (حمدہ پتر تم ادھر ہو میں آپ کو ہر جگہ دیکھ آئی ہوں)

"خیریت اماں......" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"آہو جی...... تساں نوں وڈی بی بی یاد کرنی ہی۔" (آپ کو بڑی بی بی بلا رہی ہیں) حمدہ نے گہرا سانس لیا۔

"آپ چلیں میں آتی ہوں۔" زلیخا اماں کو روانہ کر کے وہ خود بھی اندر کی طرف چلی آئی۔

بی بی جن کو سب وڈی بی بی کہتے ہیں اپنے مخصوص تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں ان کے پاس نسرین بھی تھی، وہ شاید اسے کوئی ہدایت دے رہی تھیں۔ اسے قریب آتے دیکھ کر مسکرائیں۔

"آؤ پتر حمدہ! میں کتنی بار زلیخا کو کہہ چکی تھی کہ تمہیں بلا لائے۔ کل سے آئی ہو بس ادھر ادھر گم صم پھر رہی ہو۔ ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو......" نسرین کو جانے کا اشارہ کرتے انہوں نے اپنے قریب ہی تخت پر جگہ بنائی تو حمدہ خاموشی سے ٹک گئی۔

"یہ کچھ پردے ہیں عمر کے کمرے کے اتنے عرصے بعد وہ آ رہا ہے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کون سے رنگ والے پردے اس کے کمرے کے لیے رکھوں۔ تم بتاؤ کون سا رنگ ٹھیک رہے گا؟" بی بی کے چہرے پر برسوں بعد اپنے بیٹے سے ملنے کا جوش نظر آ رہا تھا، حمدہ نے ان کے سامنے رکھے پردوں کے ڈھیر کو دیکھا اور پھر بلیو اینڈ وائٹ کمبینیشن والے پردوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ ٹھیک رہیں گے۔ ویسے یہ کام تو آپ کو ان کی پسند کے مطابق ہی کروانا چاہیے تھا۔ میں نے اپنی پسند بتا دی اب پتا نہیں ان کی پسند کیا ہے......؟"

"تمہاری پسند کوئی عام پسند نہیں ہوتی۔ ویسے مجھے بھی عمر کے کمرے کے لیے یہی پردے پسند آئے تھے مگر پھر سوچا تم سے پوچھ لوں، تم پڑھی لکھی ہو آج کل کے فیشن کا تمہیں زیادہ پتا ہے۔" حمدہ ان کی بات پر دھیرے سے ہنس دی۔

"ماریہ باجی سے بات ہوئی کب تک واپسی ہوگی؟"

"ہاں ماریہ نے فون کیا تھا کہہ رہی تھی کہ موسم کی وجہ سے جہاز لیٹ ہو گیا ہے۔" حمدہ نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

"اب یہ نسرین پتا نہیں کہاں رہ گئی ہے۔ میں نے کل سے کہہ رکھا تھا نسرین سے کہ عمر کے آنے سے پہلے اس کے کمرے کے پردے بدل دے مگر اب تک نہیں بدلے۔"

"لائیں میں کر دیتی ہوں۔ نسرین کچن میں لگی ہوگی۔" وہ کل سے ادھر تھی اب بی بی کو یوں پریشان دیکھ کر

فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔

"نہ پتر نہ...... تو کل سے ادھر ہے کچھ نہ کچھ کر ہی رہی ہے۔ نسرین فارغ ہو کر بدل دے گی۔" بی بی نے فوراً انکار کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے دھیمی مسکراہٹ سے کہتے ہوئے پردے اٹھا لیے۔

اس چھوٹی حویلی میں آج ہر طرف چہل پہل تھی اور کیوں نہ ہوتی سالوں بعد عمر پاکستان آ رہا تھا اور چند گھنٹے گزرنے کے بعد اس نے حویلی میں ہونا تھا۔ وہ پردے لیے عمر کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ایک ماہ پہلے بی بی نے نئے سرے سے اس کمرے کا پینٹ کروا کر سارا فرنیچر نیا بنوا کر اس کمرے کو سجا دیا تھا۔ بس پردے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ حمدہ کو کچھ وقت لگا پردے بدلنے میں، اس کے بعد عصر کا وقت تھا، اس نے بی بی کے کمرے میں آ کر نماز پڑھی دعا مانگ کر اٹھی تو بی بی کمرے میں آتی دکھائی دیں۔

"اب تو جہاز آ چکا ہوگا نا؟" بی بی کی بے تابی قابل دید تھی۔ حمدہ مسکرا دی۔

"جی...... امید تو ہے۔"

"یہ ماریہ نے فون بھی نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا کہ جیسے ہی جہاز آئے فون کر دے۔ میں نے شکرانے کے نفل پڑھنے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد تو نفل نہیں پڑھے جا سکتے ناں۔" حمدہ کیا کہہ سکتی تھی خاموش ہی رہی۔

"تم ماریہ کو فون کر و پتا کرو...... جہاز آ گیا ہے یا نہیں۔" بی بی نے کہا تو اس نے سر ہلا کر ان کے سرہانے رکھا کارڈلیس اٹھا لیا۔ نمبر ملا کر اس نے دوسری طرف رابطہ کیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔" دوسری طرف ماریہ باجی ہی تھیں۔

"میں حمدہ بول رہی ہوں...... بی بی پوچھ رہی ہیں کہ جہاز لینڈ کر چکا ہے۔"

"ہاں ابھی ابھی لینڈ کیا ہے...... اللہ کا شکر ہے...... ابھی ہم باہر ہی ہیں۔ ائرپورٹ سے کلیئرنگ کرواتے کرواتے بھی خاصا وقت لگ جائے گا۔ ماں جی کو کہنا پریشان نہ ہوں، ہم رات تک پہنچ جائیں گے۔"

"جی کہتی ہوں...... اللہ حافظ۔" کال بند کر کے اس نے بی بی کو دیکھا وہ اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"جہاز آ گیا ہے، ماریہ باجی کہہ رہی تھیں کہ ائرپورٹ سے فارغ ہوتے ہوتے بھی دو گھنٹے لگ ہی جائیں گے۔"

"یا میرے مالک! تیرا شکر......" بی بی نے فوراً شکر بجا لایا۔

"میں وضو کر کے نماز پڑھ لوں، تم کچن میں نسرین کو دیکھنا کہاں تک کام ہوا ہے، گھر میں داخل ہوتے ہی عمر نے کھانا مانگنا ہے۔" حمدہ سر ہلا کر کچن کی طرف چلی آئی تھی۔ نسرین کے ساتھ ہاتھ بٹاتی وہ سوچتی رہی کہ ہو سکتا ہے کل تک اماں واپس آ جائیں...... کل ممانی کے بھائی کے انتقال کی خبر پہنچی تھی، خاصا دور دراز علاقہ تھا، اماں کل شام کو ہی چلی گئی تھیں۔ آج انہوں نے فون کر کے حمدہ کو اطلاع دے دی تھی کہ وہ آج نہیں آ پائیں گی تو آج رات بھی ادھر چھوٹی حویلی میں رہ کر کل پھر وہ صبح سویرے نکلنے کی کوشش کریں گی۔

شام تک وہ نسرین کے ساتھ ہی کچن میں مصروف رہی پھر اذان ہوئی تو وہ نماز پڑھنے بی بی کے کمرے میں چلی آئی۔ بی بی اور اس نے اکٹھے ہی مغرب کی نماز پڑھی تھی۔

"ماریہ کا نمبر تو ملاؤ ذرا......! پتا تو کرو اب یہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں؟" بی بی کا دھیان بس ایک ہی طرف تھا، حمدہ مسکرا دی۔ تاہم سر ہلا کر جائے نماز لپیٹ کر ایک طرف رکھتے اس نے سرہانے پر رکھا کارڈلیس پھر تھام لیا۔ بظاہر دعا مانگتے بی بی کا سارا دھیان اسی طرف تھا۔

"السلام علیکم!" نمبر ملا کر رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔

"وعلیکم السلام! عمر اور ہم واپسی کے لیے نکل چکے ہیں۔ بس ایک دو گھنٹے میں گاؤں پہنچ جائیں گے۔" دوسری طرف ماریہ باجی نے ہنستے ہوئے کہا بھی اس کے ہاتھ سے کسی نے جیسے موبائل چھین لیا تھا۔

"اماں جی بس ایک دو گھنٹے کی دوری پر ہوں آپ سے...... مجھے پتا ہے آپ کس قدر بے تابی سے میرا انتظار کر رہی ہیں، کچھ یہی حال میرا بھی ہے۔ برسوں بعد آپ

سے ملنا ہے جی چاہ رہا ہے کہ اڑ کر پہنچ جاؤں آپ تک۔" دوسری طرف مسکراتی زندگی سے بھرپور اجنبی مردانہ آواز حمدہ کو اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہوئی تو اس نے ایک دم گھبرا کر ایک لفظ بھی کہے بغیر کال بند کردی تھی۔

"کیا ہوا...... کیا کہہ رہی تھی ماریہ؟" بی بی کا دھیان مکمل طور پر اسی طرف تھا۔

"کچھ نہیں...... وہ لوگ نکل چکے ہیں ایک گھنٹے میں گاؤں میں ہوں گے۔" اس نے کارڈلیس واپس سرہانے رکھتے سنجیدگی سے کہا۔

"اللہ ساتھ خیریت کے میرے بچے کو اپنے گھر لائے۔ برسوں ہم نے یہ دوری سہی ہے۔" بی بی آبدیدہ ہوئیں تو حمدہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

بی بی کا حوصلہ قابل دید تھا۔ انہوں نے برسوں اپنے بیٹے کی یاد میں روتے وقت گزارا تھا' آج وہ سرخرو تھیں۔ جن لوگوں کے ڈر سے انہوں نے اپنے جگر گوشے کو خود سے دور کیا آج وہ لوگ خود ہی ان سے شرمسار تھے اور ان کو برسوں بعد آج اپنے بیٹے سے ملنے کا موقع مل رہا تھا۔

حمدہ خاموشی سے ان سب کی خیریت سے واپسی کی دعا مانگتی بی بی کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

......☆☆☆......

ان لوگوں کو "چھوٹی حویلی" پہنچتے پہنچتے رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ حمدہ بی بی کے کمرے میں ان کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی جب گاڑیوں کے اندر داخل ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو وہ ایک دم اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ بی بی کا کمرہ اس لوکیشن میں تھا کہ اس کھڑکی سے باہر گیٹ تک کے تمام مناظر واضح دکھائی دیتے تھے۔ گاڑیوں سے بڑی حویلی کے تمام افراد کے علاوہ ماریہ باجی' ذوالفقار بھائی ان کے دونوں بچے اور کچھ اضافی مہمانوں کو اترتے حمدہ نے دیکھا اور پھر ماریہ باجی والی گاڑی میں سے ہی عمر نکلا تھا۔ حمدہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

جب وہ یہاں سے گیا تھا تو صرف سولہ سترہ سال کا نو عمر لڑکا تھا' بہت پرانی بات تھی اور آج وہ ایک بھرپور قد کاٹھ والا مکمل طاقتور نوجوان تھا' وہ اپنی عمر اور جسامت سے ستائیس اٹھائیس سال کا لڑکا لگ رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پر بی بی ملازموں کے ہمراہ کھڑی تھیں۔ عمر نے گاڑی سے نکلتے ہی ایکدم بھاگ کر ماں جی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"میرا بیٹا! میرا عمر......" ماں جی نے والہانہ انداز میں عمر کو خود سے لپٹا لیا تھا۔

وہ بار بار بڑی شدت' بے قراری اور والہانہ پن سے اس کی پیشانی چوم رہی تھیں۔

"ماں صدقے...... ماں قربان...... جب گیا تھا چھوٹا سا تھا' آج اتنا بڑا ہوگیا ہے۔" وہ ساتھ ساتھ رو رہی تھیں' اماں زلیخا اور نسرین آنکھوں میں آنسو لیے عمر پر پھول برسا رہی تھیں۔ کھڑکی کے اس طرف کھڑی حمدہ کی بھی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی تو وہ وہاں سے ہٹ کر واپس بستر پر آ بیٹھی۔ مگر کل سے کچھ پریشان اور بے چین تھی تو آج بہت چاہنے کے باوجود وہ اس حویلی کا حصہ نہیں بن پا رہی تھی اور بی بی کا یہ بیٹا کتنا بدل گیا تھا' رات کے وقت ٹیوب لائٹ کی روشنی میں وہ جو بھی دیکھ پائی تھی وہ یہی تھا کہ عمر ہاشم ایک مضبوط قد کاٹھ والا ایک توانا مرد تھا' مضبوط سینہ کشادہ پیشانی' چوڑے کسرتی کندھے یقیناً غیر ملک میں رہ کر اس کی صحت پر خاصا اچھا اثر پڑا تھا۔ خیر جب وہ یہاں سے گیا تھا۔ عمر تب بھی خاصا توانا وجود کا مالک تھا۔ سوچتے سوچتے کچھ دیر گزری تو اماں زلیخا اندر داخل ہوئیں۔

"پتر تسی ادھر بیٹھے ہو...... ادھر کھانے والی میز تے وڈی بی بی تسی نوں بلا رے نیں......" حمدہ نے سر اٹھا کر زلیخا اماں کو دیکھا' بی بی اسے بلا رہی تھیں یقیناً کھانے کی ٹیبل پر چھوٹی حویلی کے علاوہ بڑی حویلی کے افراد بھی براجمان ہوں گے۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ کیا کرے وہ جائے کہ نہ جائے۔ بی بی نے اس کے معاملے میں کبھی حیثیت مرتبے کا خیال نہیں رکھا تھا مگر بڑی حویلی کے افراد اس لحاظ کو ضرور ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ خصوصاً چھوٹی چوہدرانیاں۔

"میں فیر کی جا کے آکھاں کہ تسی آ رہے ہونا......؟" کے

یوں الجھا دیکھ کر اماں زلیخا نے پوچھا۔ انہیں شاید کچن میں اور بھی کام تھے حمدہ ایک گہرا سانس لیتے بستر سے اتر آئی۔

"چلیں۔"

اس نے کل شام گھر سے نکلتے وقت یہ لباس پہنا تھا ہلکا ٹی پنک رنگ تھا' پچھلے سال باجی نگہت نے اسے یہ سوٹ بھجوایا تھا' جدید فیشن کے مطابق سلا ہوا تھا شاید انہوں نے کسی اچھی دکان سے خریدا تھا۔ ایک دو بار ہی حمدہ نے پہنا تھا اور جب اماں نے اسے بتایا کہ وہ اسے یہاں چھوڑ کر جائیں گی تو پہلے تو وہ مانی ہی نہ تھی کہ ادھر "چھوٹی حویلی" میں مہمانوں کی موجودگی اور عمر کی آمد سے وہ بے خبر نہ تھی مگر اماں اسے اکیلے گھر میں تنہا بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ مجبوراً اسے یہ سوٹ پہننا پڑا تھا کہ وہ بی بی کے رشتہ داروں کے سامنے کسی بھی قسم کی سبکی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ براؤن بڑی سی شال اپنے گرد لپیٹے اپنی چپل اڑس کر وہ زلیخا اماں کے ہمراہ ہی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ آج رات کے کھانے کا انتظام دعوت خانے میں کیا گیا تھا' ایک بڑی سی میز اور اس کے گرد کرسیوں پر بیٹھے لاتعداد لوگ' حمدہ دروازے پر ہی رک گئی تھی۔ بی بی کی نظر اس کی طرف اٹھی تو اسے دروازے پر ہی رکتے دیکھ کر مسکرائیں۔

"آؤ حمدہ...... ادھر آ جاؤ میرے پاس' میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" بی بی کے کہنے پر وہ ان کے پاس چلی آئی تھی۔

"السلام علیکم......!" اس نے سب پر ایک اجتماعی نگاہ ڈالتے اجتماعی سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔"

ماریہ باجی اور کئی لوگوں کی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔ خصوصاً بی بی کے دائیں طرف بیٹھے عمر نے بھی اسے دیکھا۔ ایک بڑی سی براؤن چادر میں خود کو چھپائے وہ بی بی کے بائیں طرف آ بیٹھی تھی۔

"کہاں تھیں تم نظر ہی نہیں آئی۔" ماریہ باجی نے پوچھا تو وہ صرف سر ہلا کے رہ گئی۔

"نسرین کرسی ادھر ہی لا دو...... حمدہ میرے پاس ہی بیٹھ جائے گی۔"

بی بی نے اپنی کرسی عمر کی طرف کھسکا کر اس کے لئے ٹیبل کے گرد جگہ بنائی تھی۔

"آئی نہیں ابھی تک تمہاری ماں؟" یہ بڑی چوہدرانی کی آواز تھی۔ ہمیشہ کی طرح طنزیہ۔

"جی...... کل صبح آ جائیں گی......" دھیمے لہجے میں جواب دے کر وہ کرسی پر ٹک گئی۔

"ہوازشی......؟" عمر اس نئے وجود سے یکسر انجان تھا' اس نے ماریہ کی طرف دیکھا۔ دھیمی آواز میں ہی پوچھا۔

"چاچی مختار کی بیٹی ہے۔" ماریہ نے دھیمے سے کہا جبکہ بی بی ڈشیں اٹھا اٹھا کر حمدہ کے آگے رکھ رہی تھیں۔ جنہیں اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا' یقیناً وہ رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی۔

"چاچی مختار......؟" عمر سوچنے لگا۔

"نانا جان کے چچازاد بھائی طفیل چاچا کی بیوی کا نام مختار ہے۔ یہ انہی کی بیٹی ہے۔"

"اوہ...... آئی سی......" عمر کو ایک دم یاد آیا تو اس بار اس نے قدرے غور سے ماں جی کے بائیں طرف بیٹھے وجود کو دیکھا۔

"ان کی تو آئی تھینک تین بیٹیاں تھیں؟" عمر کو فوراً یاد آیا تھا۔

"ہاں نگہت میری ہم عمر ہے' ساجدہ تمہاری اور یہ تیسرے نمبر والی حمدہ ہے۔"

"ان کا ایک بیٹا بھی تھا قمر......؟"

"ہاں وہ آج کل ملک سے باہر ہوتا ہے۔ بیوی بچوں والا ہے۔ دوبئی میں رہتا ہے۔" دونوں بہن بھائی یہ ساری گفتگو بڑے دھیمے سروں میں کر رہے تھے جبکہ باقی لوگ کھانا کھا رہے تھے۔

"جب میں گیا تھا تو یہ بچی سی تھی اب تو کافی بڑی ہوگئی ہے۔ اور خاصی خوبصورت بھی ہے۔" بڑی سی براؤن چادر میں لشکارے مارتا اس کا دودھیا حسن وہ ایک نگاہ میں ہی جانچ چکا تھا۔ ماریہ نے ایک نگاہ اٹھا کر اپنے خوبرو بھائی کو دیکھا وہ بظاہر کھانا کھا رہا تھا مگر نگاہیں حمدہ کے چہرے پر ہی تھیں۔ وہ ایک کھلے ڈلے ماحول میں رہ کر آیا تھا اور یہ بے

باکی شاید اسی ماحول کا نتیجہ تھی جو دل کی بات فوراً لبوں پر لے آیا تھا۔

"چاچی مختار خود بھی تو ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہیں۔ ان کے چاروں بچے ان پر ہی گئے ہیں۔" ماریہ باجی نے اس کی نگاہوں کے تاثر کو عام لہجے میں سمو کر زائل کرنے کی کوشش کی۔

"یہ دونوں بہن بھائیوں میں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں۔" چھوٹی ممانی دونوں کو یوں دھیمے لب و لہجے میں باہم گفتگو کرتے دیکھ کر پوچھنے لگیں تو ماریہ فوراً مسکرا کر سیدھی ہوئی۔

"کچھ خاص نہیں بس اردگرد کی باتیں کر رہے تھے۔" حمدہ نے بھی کھانا کھاتے سر اٹھا کر دیکھا عمر ابھی بھی گاہے بگاہے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں کچھ ایسا تاثر ضرور تھا کہ حمدہ سٹپٹا سی گئی۔ براہ راست کسی نے بھی دونوں کا تعارف نہیں کروایا تھا اگر کچھ پل قبل اس نے عمر کی آمد پر خوش آمدیدی کارروائی اپنی آنکھوں سے ملاحظہ نہ کی ہوتی تو شاید وہ اسے پہچان بھی نہ پاتی۔

حمدہ نے سوچا شاید یہ شخص بھی اس کے تعارف سے بے خبر ہے شاید اسی لیے بار بار اسے دیکھ رہا ہے۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ مسلسل اس شخص کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کرتی رہی اور اندر ہی اندر گھبراتی رہی جبکہ باقی سبھی خوشگوار موڈ میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اس نے بہت جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور پھر باقی لوگوں کے اٹھنے کا انتظار کیے بغیر اس نے ٹیبل چھوڑ دی تھی۔ کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے کسی کی نگاہوں کی تپش اپنی پشت پر مسلسل محسوس کی تھی، مگر وہ بغیر گھبرائے اپنے مخصوص رکھ رکھاؤ اور پروقار انداز سمیت کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

......☆☆☆......

اس کا خیال تھا کہ اماں اگلی صبح سویرے نکلیں گی تو گاؤں نو بجے تک پہنچ ہی جائیں گی مگر اماں کا فون آیا کہ ان کا وہاں شہر سے کچھ خریدنے کا پروگرام بن گیا ہے تو شام تک آئیں گی۔ حمدہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ کل اتوار تھا آج ہفتہ کی چھٹی اسے کرنا پڑ گئی تھی۔ وہ گاؤں سے باہر ایک مقامی کالج میں پڑھا رہی تھی۔ اسے ابھی تین چار ماہ ہی ہوئے تھے یہ جاب شروع کیے۔ وہ ایم اے انگلش تھی یہ کالج مقامی سطح پر ساتھ والے گاؤں کے مالکوں نے اردگرد کے دیہات کی لڑکیوں کی سہولت کے لیے پرائیویٹ لیول پر بنوایا تھا۔ ابھی ایک آدھ سال ہی ہوا تھا کہ اس کالج میں فرسٹ ائر اور سیکنڈ ائر کی کلاسز شروع کی تھیں۔ یہاں جاب بھی "بی بی" نے ساتھ والے گاؤں کے ملکوں سے کہہ کر دلوائی تھی۔

اماں گھر نہیں تھیں وہاں تالا لگا ہوا تھا اور اماں نے اسے بار بار گھر کے چکر لگانے سے بھی منع کر دیا تھا۔ وہ پرسوں شام کو حویلی آئی تھی عجلت میں وہ صرف ایک دو چیزیں ہی لے کر آئی تھی۔ اس وقت صبح کے دس بج رہے تھے ناشتے کے بعد چھوٹی حویلی کے سبھی افراد بی بی سمیت بڑی حویلی جا رہے تھے۔

ماریہ باجی نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ آصفہ (بڑی چوہدارنی) بیگم اور تیسری چوہدرانی جمیلہ کی وجہ سے انکار کر گئی۔ وہ پرسوں سے ایک ہی لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ لوگ نکلنے لگے تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ بھی اپنے گھر سے ہو آئے۔ چابیاں اس کے پاس ہی تھیں وہ تھوڑی دیر گھر کا بھی چکر لگا لے گی اور لباس بھی بدل آئے گی۔

"میں گھر چلی جاؤں بی بی......؟" اس نے بی بی سے اجازت لے لینا مناسب سمجھا۔

"اس وقت......؟" بی بی نے اس کا چہرہ دیکھا ان کے چہرے پر تفکر کے سائے لہرائے۔

"مجھے کچھ کتابیں لینی ہیں۔ میں نے سوچا کہ فارغ رہنے سے کوئی کتاب ہی پڑھ لوں۔" سر جھکائے اس نے کہا تو بی بی نے ایک دو پل اسے دیکھا۔

"چلی جاؤ مگر اکیلے نہیں جانا۔ نسرین تو گھر چلی گئی ہے زلیخا اندر ہی ہے اس کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ زیادہ دیر نہیں رکنا۔ کتابیں اور کپڑے لے کر فوراً آ جانا۔" انہوں نے اجازت دی تو حمدہ گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔

"جی......" وہ لوگ بڑی حویلی کے لیے نکلے تو وہ بھی

زلیخا اماں کو لے کر اپنے گھر آ گئی۔ وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی ابھی تالا کھول رہی تھی کہ سفید گاڑی اس کے پاس آ کر رکی۔ گاڑی کے اندر موجود شخص جان بوجھ کر متوجہ کرنے کو زور سے ہارن دینے لگا تھا۔ حمدہ نے لب بھینچ کر براؤن چادر کے اندر فوراً منہ چھپا لیا تھا۔

"حمدہ بی بی! تساں چھیتی بواء کھولو......اے نحوست مارا ایتھے جم ای گیا اے۔" باقر علی کو دیکھ کر اماں زلیخا کے بھی تیور بدلے تھے۔

"کیوں دور دور رہندے او حضور میرے کولوں
سانوں دسدیو ہویا کی قصور میرے کولوں"

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر کافی بلند آواز میں گنگنانے لگا تو حمدہ بغیر توجہ دیئے تالا کھول کر دروازہ دھکیلتے فوراً اپنے گھر میں داخل ہو گئی تھی۔ اماں زلیخا اس کے پیچھے بیرونی دروازہ بند کر کے اسی کمرے میں چلی آئی تھیں۔ وہ دیوار گیر ایک الماری کا پٹ کھول کر اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

"یہ باقر علی وی جان دا......ترا......دو بچیاں دا پیو بن گیا اے پر حرکتاں تیں گیاں...... جنانی اودی چھڈ کے ٹر گئی اے پر انہوں عقل نہیں آ ئی۔" اماں زلیخا نے کافی غصے سے کہا۔

حمدہ خاموش رہی۔ جب سے اس نے کالج جانا شروع کیا تھا اماں نے اس کے لیے کئی سوٹ سلوائے تھے۔ مگر ماریہ باجی اور بڑی حویلی کی عورتوں کے کپڑوں کے سامنے یہ چند جوڑے کچھ بھی نہ تھے۔ چند منٹ ادھر ادھر ہاتھ مارتے اس نے قدرے ایک معقول لباس نکال ہی لیا کہ جسے پہن کر وہ باجی ماریہ کے مقابل کم مائیگی کے احساس کا شکار نہ ہو پاتی۔

"پتر جلدی لے لو...... جو بھی لینا اے اللہ بیڑا غرق کرے...... لے کے تساں دی زندگی اجیرن کر رکھی اے۔"

اماں زلیخا کی بات پر بھی وہ خاموش رہی...... کپڑے نکال کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہ درمیانے سائز کے تین کمروں والا گھر تھا۔ جس کی کی دیواریں اور چھت پلستر تھیں۔ البتہ بیرونی دروازے سے آگے کچھ حصہ کچی مٹی کا تھا۔ ایک درمیانے سائز کی چھوٹی سی میز تھی جس پر کپڑا ڈال کر استری رکھی ہوئی تھی وہ کپڑے استری کرنے لگی تو اماں زلیخا بھی اسی کمرے میں آ گئیں۔ حمدہ نے جب تک کپڑے استری کیے اماں زلیخا کا موضوع گفتگو باقر علی کی ہی ذات رہی اور حمدہ اس سارے ذکر کے دوران بالکل خاموش رہی۔ جیسے اس نے اس معاملے میں کبھی نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہو؟

"میں نہا لوں، بس تھوڑی دیر لگے گی......" اپنے گھر میں آ کر وہ پہلی بار کچھ بولی تھی، اماں زلیخا گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

نہانے کے بعد اس نے اپنے لمبے گھنے بالوں کو تولیے میں لپیٹا ہوا تھا، گیلے بدن کی وجہ سے لباس بھی گیلا ہو گیا تھا۔ بالوں کو آگے کر کے اس نے تولیے کے ساتھ ایک دو جھٹکے دیئے پھر وہی گیلا تولیہ کمر کے گرد لپیٹ کر بالوں کو پیچھے ڈال کر برش کرنے لگی تھی۔ سردیوں کی دھوپ جسم کو عجیب سکون دے رہی تھی۔ بالوں میں برش کرتے یونہی وہ پلٹی تو دھک سے رہ گئی۔ نگاہ سیدھی سامنے عمارت کی طرف اٹھی تھی۔

باقر علی حسب معمول اپنی چھت پر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حمدہ کو لگا اس کے وجود کو انگاروں نے چھو لیا ہو۔ عجیب وحشیانہ غلیظ نگاہیں تھیں، نجانے وہ کیسے چوک گئی تھی جو اردگرد کا جائزہ نہ لے سکی تھی۔ ان کے گھر کی دیوار سات آٹھ فٹ لمبی تھی مگر سامنے والی عمارت کی بلندی کے سامنے اس دیوار کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہ شخص دن بدن اس کی زندگی کا ناسور بنتا جا رہا تھا اور اس شخص کی بہنوں کا غرور کم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک پل بھی ضائع کیے بغیر بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں روپوش ہو گئی تھی۔ کمرے میں آ کر اپنی وہی براؤن چادر لے کر چاروں طرف یوں پھیلا لی کہ جیسے وہ ان غلیظ نگاہوں کی غلاظت سے بچنا چاہ رہی ہو۔

"کیا ہوا پتر...... خیر ہے نا......؟" اماں زلیخا اسے یوں بھاگ کر کمرے میں گم ہوتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حمدہ کا جی چاہا کہ خوب روئے اتنا کہ روتے روتے اس کی سانس رک جائے اور وہ اس

شخص کی پہنچ سے کوسوں دور چلی جائے وہ ساری دنیا کے لیے ایک تماشا بن چکی تھی۔ اس گاؤں کا چھوٹا بڑا ہر کوئی اس کی ''داستان'' کو مزے لے لے کر سناتا تھا' ایسے میں اس کا جی چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جائے' کسی ایسی جگہ جہاں اس شخص کی غلیظ نظریں نہ ہوں۔ لوگوں کی چٹ پٹی باتیں نہ ہوں۔ طعنے اور طنز نہ ہو' مگر وہ مجبور تھی اس دنیا میں جینے پر مجبور تھی۔ اماں زلیخا کے استفسار پر محض سر ہلا کر وہ خاموشی سے چند کتابیں لے کر باہر نکل آئی تھی۔

''چلیں......'' اس نے کہا تو اماں زلیخا نے سر ہلا دیا۔ کمروں میں تالے لگا کر باہر نکلی تو نظر غیر ارادی طور پر سامنے عمارت کی طرف اٹھ گئی اب وہ شخص وہاں نہیں تھا۔

حمدہ کو لگا وہ جیسے ایک دم جی اٹھی ہے۔ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''تساں نوں میں حویلی دے گیٹ کول چھڈ کے اپنے کار داوی اک چکر لالیواں گی۔'' رستے میں اماں زلیخا نے کہا تو اس نے محض سر ہلا دیا۔

''اماں آپ اپنے گھر ہو آؤ...... میں اب چلی جاؤں گی......'' جونہی حویلی کا گیٹ دکھائی دیا اس نے کہا۔

''چل پتر' دھیان نال چلی جا......'' اس کے اور حویلی کے گیٹ کے درمیان کوئی تیس چالیس قدموں کا فاصلہ تھا۔ وہ سر جھکائے اپنی براؤن چادر چاروں طرف پھیلائے تیزی سے قدم اٹھاتے آگے بڑھی تھی۔ ابھی وہ پانچ دس قدموں کے فاصلے پر تھی جب وہی منحوس شخص ایک پگڈنڈی سے بھاگتا ہوا ایکدم اس کے سامنے آ گیا۔ حمدہ نے گھبرا کر اردگرد دیکھا مگر چاروں طرف کوئی نہیں تھا۔

''رستہ چھوڑو......'' ایکدم غصے اور اذیت سے حمدہ کا برا حال تھا۔

''اوئے ہوئے ہمیں تڑیاں......'' وہ ہنسا مگر حمدہ خاموش رہی۔

''چھوٹی حویلی والے تم پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہو رہے۔ آخر چکر کیا ہے......؟'' اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے گلے میں پڑی ہوئی گرم چادر کے دونوں پلو تھام لیے تھے۔ حمدہ اس شخص سے ہم کلام ہونا تو ایک طرف اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کترا کر سائیڈ سے نکلنا چاہا مگر اس شخص نے اگلے ہی پل اس کا بازو اپنی آہنی گرفت میں جکڑ کر ایکدم جھٹکے سے اپنے سامنے کیا تھا۔ حمدہ اس آہنی گرفت سے لرز کر رہ گئی تھی۔

''چھوڑو میرا بازو......'' وہ چیخی تھی مگر اس شخص پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

''اکڑ نہیں گئی تمہاری...... اور وہ بڑھیا ہے کس خوش فہمی میں......؟ میرے سامنے زبان چلائی تو مٹی میں رول دوں گا تمہیں...... تم میری منگ ہو تو رعایت برت رہا ہوں جس دن میری برداشت ختم ہوگئی تم میرے گھر' میرے کمرے میں پائی جاؤ گی۔'' حمدہ کے آنسو ایک دم بہہ نکلے۔ ایک ہاتھ میں اس نے کتابیں تھام رکھی تھیں' دوسرا بازو اس شخص کی وحشی گرفت میں تھا۔

''میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا......؟ کیوں نہیں میری جان چھوڑ دیتے۔'' وہ سسک اٹھی تھی مگر اس شخص کو رحم نہیں آیا تھا۔

''اگر جان ہی چھوڑنا ہوتی تو اتنے سالوں سے اس معاملے کو لٹکا کے نہ رکھتا......'' جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتے اس نے خاصے غصے سے کہا۔

''اگر تم اس بھول میں ہو کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی مائی کا لعل تمہیں بیاہ کر لے جائے گا تو میری جان اس غلط فہمی سے نکل آؤ...... میں بندہ مارنا بھی جانتا ہوں اور مرجانا بھی۔ کاشف مراد والا قصہ بھولی تو نہیں...... وہ بڑھیا تیسرا دن ہے گاؤں سے غائب ہے کہیں کوئی چال تو نہیں چل رہی...... مگر کان کھول کے سن لو وہ جتنی بھی چالیں چل لے مگر میرے آگے اس کی ہر چال دم توڑ دے گی۔''

وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر حمدہ اب ایک لحہ بھی رکے بغیر تیزی سے بھاگی تھی' گیٹ بند تھا مگر کنڈا نہیں لگا تھا اس کے دھکیلنے سے کھلتا چلا گیا تھا اور حمدہ بغیر پلٹ کر دیکھے اندرونی حصے کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔

......☆☆☆......

وہ بڑی حویلی آیا تھا بی بی ماریہ اور باقی سب لوگ بھی ادھر ہی تھے۔ یہاں آ کر اسے یاد آیا کہ وہ اپنا موبائل تو اپنے کمرے میں بھول آیا ہے۔ وہ تقریباً وہاں آدھا گھنٹہ بیٹھنے کے بعد واپس اپنی حویلی آیا تھا۔ سلطان بابا نے گیٹ کھولا' انہیں ابھی گیٹ بند نہ کرنے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کا یہ کمرہ بی بی نے نیا سجایا تھا' بچپن میں اس کا کمرہ نیچے ہوتا تھا' اب اس کا کمرہ زینہ طے کرتے ہی راہداری میں پہلے نمبر پر تھا۔ موبائل لے کر وہ پلٹا تو نگاہ یونہی شیشے کے پار والے منظر پر پڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سامنے نظر آتے وجود کو دیکھ کر نظر انداز کر دیتا اگلے منظر نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ایکدم کھڑکی کا شیشہ کھول کر باہر جھانکنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

وہ بلاشبہ حمدہ تھی۔ رات ڈائننگ ٹیبل پر دکھائی دیئے جانے والی چاچی مختار کی بیٹی۔ وہ اپنے دھیان میں چلی آ رہی تھی جب باقر علی نے ایکدم حویلی کے گیٹ سے چند قدموں کے فاصلے پر اس کا راستہ روک لیا تھا۔ دونوں میں ایک دو بات ہوئی تھی۔ شاید پھر حمدہ نے سائیڈ سے گزر کر جانا چاہا تھا مگر باقر علی نے ایک دم اس کا بازو تھام کر اس کو پھر اپنے سامنے کر لیا تھا۔ اس کے بعد وہ کافی تلخی اور غصے سے اسے کچھ کہہ رہا تھا جس کے سبب حمدہ رونے لگی تھی۔

عمر کے لیے یہ سب حیرت انگیز اور دلچسپ تھا۔ رات اس لڑکی کا غیر معمولی حسن دیکھ کر وہ ٹھٹکا تھا اور اپنی طبیعت اور فطرت کے برعکس اسے گاہے بگاہے دیکھنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ جبکہ اب معاملہ اسے کچھ اور ہی نوعیت کا لگ رہا تھا۔ پھر باقر علی نے اس کا بازو چھوڑ دیا تھا۔ حمدہ اب بھی آنسو بہا رہی تھی اور پھر وہ ایکدم بھاگتے ہوئے حویلی کے اندر داخل ہوگئی تھی۔

''یہ سب کیا معاملہ ہے......؟'' کیوں نہ حمدہ سے ہی پوچھا جائے۔ حمدہ کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ' جیسے نگاہوں کے سامنے جم گیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی وہ تیزی سے اپنے کمرے سے نکلا تھا۔

اس کا ارادہ تیزی سے نیچے جانے کا تھا' وہ اپنے دھیان میں راہداری کا موڑ مڑتے ہی تیز رفتاری سے زینہ طے کرتے وجود کو نہیں دیکھ پایا تھا' نتیجتاً تصادم شدید تھا۔ اپنے دھیان میں تیز رفتاری سے اندر آنے والا وجود اس کے سخت وجود سے ٹکرا کر پیچھے کو گرا تھا' اس سے پہلے کہ عمر کچھ سمجھتا' معاملے کی نوعیت کا اندازہ لگاتا گرنے والا وجود سیڑھیوں سے تیزی گر کر قلابازیاں لگاتا نیچے فرش پر جا گرا تھا۔

نسوانی چیخ شدید تھی' عمر ششدر رہ گیا' یہ کوئی اور نہیں چند پل قبل گیٹ پر نظر آتی حمدہ ہی تھی جو اب اس تصادم کے نتیجے میں لڑکھڑا گئی تھی۔ وہ فوراً تین تین چار چار زینے پھلانگتا اس تک پہنچا تھا۔ گرتے ہی وہ حواس کھو چکی تھی۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا' اسکی براؤن چادر زینے کی ریلنگ میں الجھ کر نہ صرف ایک کونے سے پھٹ چکی تھی بلکہ وہیں سیڑھیوں پر گر گئی تھی۔ وہ نہا کر آئی تھی' گیلے بال خون کی نمی سے مزید نم ہو چکے تھے۔ وہ منہ کے بل فرش پر گری تھی' عمر نے فوراً اس کو کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا۔

''کوئی ہے...... اماں زلیخا......'' حمدہ کے گالوں کو تھپک کر اس نے اسے حواس میں لانے کی کوشش کی مگر پھر نا کام ہو کر اس نے آوازیں دیں مگر حویلی میں کوئی ہوتا تو نظر آتا۔ اس کی دائیں کلائی میں پڑی چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں اور کلائی کہنی تک خون آلود ہو چکی تھی۔ سر پر شاید شدید چوٹ لگی تھی' ایکدم فرش پر خون کی دھار بن گئی تھی۔

''سلطان بابا...... سلطان بابا......؟'' اتنی دور تک اس کی آواز بھلا کہاں سنائی دیتی......؟ وہ جب تک کسی کے آنے کا انتظار کرتا' اس لڑکی کا اچھا خاصا خون بہہ جاتا تھا۔ اس نے بس ایک پل کو سوچا اور پھر فوراً حمدہ کو بازوؤں میں اٹھا کر ماں جی کے کمرے میں لے آیا تھا۔

''ماریہ باجی آپ...... بھائی جان کو لے کر فوراً حویلی آ ئیں۔ پلیز جلدی' میں ماں جی کے کمرے میں ہوں۔'' حمدہ کو ماں جی کے بستر پر لٹا کر اس نے پہلا کام یہی کیا تھا کہ ماریہ باجی کو کال کی تھی۔ موبائل بند کر کے اس نے دیکھا اس کی سفید شرٹ خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ وہ عرصے بعد اس حویلی میں آیا تھا' اسے نہیں پتا تھا کہ کونسی چیز

کہاں ہے' کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ خون کو کیسے روکے' اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی ایک طرف اسٹینڈ پر ٹاول پڑا ہوا تھا' اس کا ایک حصہ پھاڑ کر حمدہ کے سر کے متاثرہ حصے پر باندھا' باقی ٹاول سے اس کے بازو کو صاف کیا' اس کے علاوہ اس لڑکی کے بائیں پاؤں پر بھی خاصی چوٹ آئی تھی۔ لگتا تھا کہ کسی سیڑھی کا کنارہ بری طرح پاؤں کو زخمی کر گیا تھا۔ اچھی خاصی اسکن اتر چکی تھی۔ اس کے پاؤں کو تھام کر زخم کا جائزہ لیتے ہوئے گاہے بگاہے حمدہ کے چہرے کو بھی دیکھ رہا تھا۔ کل اس کا خوبصورت اور دلکش وجود بے حد نمایاں تھا' اس کے کالے سیاہ گھنے بال بستر پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس کے وجود سے نظریں ہٹا کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ اس کی چادر سیڑھیوں پر ہی پڑی ہوئی تھی' وہ چادر اٹھا کر واپس کمرے میں چلا آیا تھا۔ اس کے دلکش سراپا پر اس کی چادر کو ڈال دیا تھا۔ اس کا حسن کچھ حد تک چادر کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ عمر نے اس کی نبض دیکھی' پریشانی والی بات تو نہیں تھی' مگر جس رفتار سے اس لڑکی کا خون بہہ رہا تھا اور ابھی تک بے ہوش تھی اس سے عمر کو تشویش لاحق ہو رہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر ماریہ باجی کو کال کر کے ایمرجنسی کا کہہ کر فوراً بی جان کے کمرے میں پہنچنے کی تاکید کی تھی۔

ابھی وہ کل آیا تھا' بے شک وہ اسی علاقے کا تھا مگر گزرے سالوں میں ہونے والی تبدیلیاں تھیں کہ وہ خود کو اس ماحول کے لیے اجنبی محسوس کر رہا تھا۔ اگر وہ خود سے اسے فوراً کہیں لے بھی جائے تو کہاں؟ اسے نہ یہاں کسی ڈاکٹر کا علم تھا اور نہ ہی کسی اسپتال کا۔ اس نے پانی کا گلاس لے کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے مگر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

''کہاں رہ گئے ہیں یہ ذوالفقار بھائی اور ماریہ باجی......؟'' یہ حادثہ اس سے ٹکراؤ کی وجہ سے ہوا تھا' وہ شعوری طور پر قصوروار نہ تھا مگر اب لگ رہا تھا کہ اس لڑکی کا یوں اتنا خون بہہ جانا اس سب کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

''کیا ہوا خیریت......؟'' وہ مسلسل اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا جب عقب سے ماریہ کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر یکدم گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیدھا ہوا۔

''ہائے اسے کیا ہوا ہے......؟'' جونہی نظر حمدہ پر پڑی وہ ایکدم پریشان ہو کر حمدہ کی طرف بڑھی تھیں۔

''کیا ہوا ہے انہیں......؟'' ذوالفقار بھائی بھی اندر آ گئے تھے' ان کے لیے بھی صورت حال حیران کن تھی۔

''سیڑھیوں سے گر گئی ہیں......''

''اوہ......مگر کیسے......؟''

''آپ بھائی جان پلیز اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کریں۔ لگتا ہے سر پر کافی گہری چوٹ لگی ہے۔ منہ کے بل پختہ فرش پر گری ہے' اس سے پہلے سیڑھیوں سے سر ٹکرایا ہے۔'' ذوالفقار بھائی خود بھی ڈاکٹر تھے۔ وہ فوراً اس کے پاس بیٹھ گئے تھے' عمر پریشانی سے قریب کھڑا تھا۔

''فرسٹ ایڈ باکس ہے حویلی میں......؟'' بھائی جان نے ماریہ باجی سے کہا۔

''ہاں ہے میں لاتی ہوں۔'' وہ فوراً باہر نکل گئیں۔

''کافی خون بہہ گیا ہے۔ میں کوشش کر چکا ہوں مگر ہوش نہیں آرہا اسے......؟'' عمر کے بتانے پر ذوالفقار بھائی اس کی نبض تھام کر دوسرے ہاتھ سے حمدہ کے سر کا زخم دیکھنے لگ گئے تھے۔ ماریہ باجی فوراً باکس لے آئی تھیں۔ سر کا زخم گہرا تھا۔ اسٹیچنگ کی ضرورت تھی' ذوالفقار بھائی خاموشی سے اپنے کام میں جت گئے۔

''آہ......'' کوئی دس پندرہ منٹ بعد وہ ہلکا سا کراہی۔

تب ہی عمر کی جان میں جان آئی۔ درحقیقت وہ حمدہ کی طویل بے ہوشی سے خاصا اپ سیٹ ہو چکا تھا۔

''حمدہ......'' ماریہ باجی اس کا ہاتھ تھامے بڑی محبت سے پکار رہی تھیں۔

''باجی......'' آنکھیں کھول کر ماریہ کو خود پر جھکے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تکلیف سے یکدم آنسو آ گئے تھے۔

''رونا نہیں...... کچھ نہیں ہوا......؟ بس معمولی سی چوٹ ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔'' باجی نے فوراً اس کے آنسوؤں کو صاف کیا' اس کی بے ہوشی کے دوران وہ تولیے سے اس کے منہ' ہاتھوں اور بازوؤں سے خون

روشن ہے چراغِ آگہی

وقت سبک رفتاری سے سرکتا ہے اور سرکتا ہی چلا جاتا ہے۔ مگر جاتے جاتے ہماری جھولی میں یادوں کے کنول کھلا دیتا ہے۔ ابھی کل کی ہی بات لگتی ہے کہ آنچل نے اپنا سفر شروع کیا تھا اور اب دیکھتے ہی دیکھتے پینتیس برس گزر گئے۔ جدوجہد کے آگہی کی تحریک کے۔ آگہی کا چراغ ہی وہ چراغ ہے جو گھپ اندھیرے میں روشنی کی مشعل بن کر دربدر بھٹکتی سوچوں کو صحیح سمت میں باندھتا ہے۔ جب کارواں چلا تھا تو چند لوگ تھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہی کارواں ایک جم غفیر کی صورت اختیار کر گیا۔ اس سفر آگہی میں پہلے ہم نے اپنی عزیزی مدیرہ و بانی زیب النساء کو کھویا پھر سلمٰی کنول اور فرحت آپا بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئیں۔ رہ گئیں تو صرف ان کی یادیں اور وہ کاوشیں جو انہوں نے آگہی کے اس سفر کے لیے مختص کیں اور انہی کی دعاؤں کے سائے تلے اور بہنوں کی محبتوں کے ہمراہ آنچل ماشاءاللہ سے آگہی کا اک اور برس مکمل کر چکا ہے۔ آنچل کی سالگرہ کے موقع پر ہم نے اس بار بھی بہنوں کی بزم سجائی ہے اس سلسلے میں رائٹرز و بہنوں کی شرکت ہمارے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔ سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

1:۔ مشہور معیشت دان رابنز (Robbins) کے مطابق انسانی خواہشات لامحدود ہوتی ہیں آپ اس بات سے کس حد تک اتفاق کرتی ہیں اور آنچل کے حوالے سے کوئی خواہش جس کی تکمیل آپ کی اولین ترجیح ہو؟

2:۔ کوئی ایسا مصرعہ جسے پڑھ کر بے ساختہ آپ کو آنچل کی یاد آ جاتی ہو؟

3:۔ اگر آپ کو ایک دن کے لیے آنچل کا انتظام سونپ دیا جائے تو آپ اس میں کون سی ایک تبدیلی کرنا چاہیں گی؟

4:۔ مطالعہ ہمارے ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے کوئی ایسی کتاب جسے آپ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی ہوں یا فرصت کے لمحات میں اس کا مطالعہ ضرور کرتی ہوں؟

5:۔ آنچل کے مستقل سلسلوں میں آپ کا سب سے پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اور کیوں؟

6:۔ زندگی بیک وقت درد و غم اور خوشی کی راہگزر ہے کبھی تجربات ہمیں سبق سکھاتے ہیں تو کبھی مشاہدات۔ آنچل کے مطالعے سے کوئی ایسا سبق جس کی بدولت آپ کی زندگی میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی واقع ہوئی ہو؟

(ان سوالات کے جوابات مختصر تحریر کر کے ہمیں 10 مارچ تک ارسال کر دیں)

صاف کرچلی تھیں۔

حمدہ کو لگا اس کا سارا جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا ہے۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی کہ اسے کیا ہوا تھا مگر کمزوری نقاہت کی وجہ سے ذہن ایکدم تاریک ہونا شروع ہوا تو اسے لگا کہ وہ ایک بار پھر حواس کھو رہی ہے۔

''حمدہ؟'' ماریہ باجی کی پکار پر اس نے آنکھیں کھولنا چاہیں، مگر پلکیں وا نہیں ہوئی تھیں۔

''کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے......؟'' کوئی بہت تشویش سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کا ذہن مکمل تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔

''انہیں ہوش آچکا ہے، جو ایک دو انجکشن لگائے ہیں، لگتا ہے ان کا اثر ہے۔ سر کی چوٹ گہری ہے، پاؤں کا زخم نارمل ہے۔ بازو پر بھی آئی تھنک چوڑیوں کی وجہ سے زخم آئے ہیں۔ باقی اندرونی زخم یہ ہوش میں آئیں گی تو پتا چلے گا۔'' عمر خاموشی سے ذوالفقار بھائی کی بات سنتے حمدہ کو دیکھے گیا۔

نجانے کیا کشش تھی اس وجود میں کہ وہ کئی پل تک اس کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا پایا تھا۔ یوں جیسے کسی ان دیکھی طاقت نے اس کی نگاہوں کا حصار اس کے گرد باندھ دیا تھا۔ حمدہ کے چہرے پر کنپٹی سے نیچے رخسار کی ہڈی پر کافی گہرا نیل پڑا ہوا تھا۔ شاید سیڑھی کا کنارہ لگا تھا، عمر کا دل ملال سے بھرنے لگا۔ وہ حمدہ کے پاؤں کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ نجانے ایکدم کیا ہوا، دل میں ایسی کون سی لہر اٹھی تھی کہ اس کے ہاتھ غیر محسوس انداز میں اس کے پاؤں کو تھام چکے تھے۔

نرم و نازک گلابی پاؤں کا گداز اس کی مردانہ ہتھیلیوں پر ایکدم اترا تو وہ دم سادھے چت لیٹے بے خبر وجود کو دیکھے گیا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ یہ اسے کیا ہو رہا ہے؟ کوئی عجیب سا احساس تھا جو حمدہ کے چہرے سے اس کے دل میں اتر رہا تھا۔

''تمہارے کپڑے بھی خاصے خون آلود ہو چکے ہیں، تم چینج کرلو۔'' ماریہ کی نگاہ اس پر پڑی تو ساری شرٹ خون میں رنگین دیکھ کر کہنے لگی۔ عمر نے آہستگی سے ہاتھ حمدہ کے پاؤں سے ہٹا کر اپنی گود میں رکھ لیے۔ تاہم نگاہیں اسی طرح چہرے کے گرد رقصاں تھیں۔ کچھ دیر پہلے یہ لڑکی باقر علی کے ساتھ حویلی سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی رو رہی تھی، اس نے اپنی آنکھوں سے اسے حویلی میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور اب یہ بے ہوش اور زخمی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ عمر کے اندر ملال کے بادل گہرے ہوتے چلے گئے۔

''ہوں......'' وہ بستر سے اٹھ گیا تھا۔ طبی امداد مکمل ہو چکی تھی، ذوالفقار بھائی بھی پیچھے ہٹ گئے تھے۔

''جب ان کو دوبارہ ہوش آئے تو مجھ سے پوچھ کر کچھ گولیاں کھلا دیں۔'' ذوالفقار بھائی ماریہ باجی کو ہدایات دے کر باہر نکل گئے تھے۔

ماریہ باجی نے بستر پر پڑا کمبل حمدہ کے وجود پر ڈالا تو عمر بھی ایک گہری سانس لیتا اپنے حلیے پر نگاہ ڈالتا کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

آج جو کچھ بھی ہوا تھا، اس کے بعد اس کے دل کی جو کیفیت تھی وہ سب عجیب تر تھا۔ عجیب سے احساس میں گھرتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا تھا۔ سیڑھیوں پر ٹوٹی چوڑیوں کے کئی ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، ان سیاہ ٹکڑوں کو دیکھتے ہوئے عمر کے اندر کی کیفیت میں مزید شدت در آئی تو اس نے لب بھینچ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

☆☆☆......

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا، اس کے دل کی کیفیت ابھی تک برقرار تھی، وہ اچھا خاصا اپ سیٹ ہو چکا تھا۔ کپڑے بدلنے کے بعد وہ دوبارہ حمدہ کو دیکھنے نہیں گیا تھا، اسے لگ رہا تھا اس کی نگاہ دوبارہ اس وجود کی طرف اٹھے گی تو وہ اپنا آپ بھول جائے گا۔ یہ جو تھوڑے بہت حواس قائم ہیں یہ بھی نہ رہیں گے۔ اب اسے کمرے میں بند ہوئے بھی تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ وہ اسی طرح کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھ رہا تھا، جب دستک دے کر ماریہ باجی اندر داخل ہوئیں۔

''کیا بات ہے تم کمرے سے باہر نہیں نکلے؟...... لنچ بھی نہیں کیا؟'' ماریہ باجی کے سوال پر وہ کھڑکی سے ہٹ کر صوفے پر آ بیٹھا۔

''بس یونہی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔'' ماریہ نے کافی غور سے اپنے اس نخریلے سے بھائی کو دیکھا۔

''حمدہ کیسی ہے...... ہوش آیا اسے؟''

''ہاں ہوش آیا تھا...... لگتا ہے بے چاری کو اندرونی چوٹیں بھی کافی آئی ہیں مسلسل رو رہی تھی۔ ابھی ماں جی نے اسے کھانا کھلا کر دوا دے کر سلایا ہے۔''

''میں یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہی ہوں کہ وہ اوپر لینے کیا آئی تھی؟ جب ہم بڑی حویلی کے لیے نکلے تھے تب وہ اپنے گھر گئی تھی، اماں زلیخا کے ساتھ...... اسے کپڑے بدلنے تھے۔'' عمر ماریہ کی بات کے جواب میں بھلا کیا کہتا؟ وہ تو خود بے خبر تھا۔

''جس طرح تم اس کے گرنے کا ذکر کر رہے ہو...... میں الجھ گئی ہوں، ایک بات پوچھوں عمر؟ سچ سچ بتانا؟'' عمر نے سوالیہ نظروں سے اپنے سے چند سال بڑی بہن کو دیکھا۔

''تمہارے اور حمدہ کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے...... میرا مطلب ہے کہ......؟'' وہ جھجکتے ہوئے اپنے جملے کی وضاحت نہ کر پائی تھیں، عمر نے خاصا چونک کر بہن کو دیکھا۔

''کیا مطلب......؟ میری تو اس سے براہ راست ابھی تک بات چیت ہی نہیں ہوئی۔ رات کھانے کی ٹیبل پر اسے دیکھا تھا اور پھر جب وہ گری تھی تب دیکھا تھا۔''

''میرا مطلب ہے کہ جس طرح وہ سیڑھیوں سے گری ہے...... حویلی میں کوئی بھی نہیں تھا...... وہ اوپر کیا لینے گئی تھی...... اور پھر ایکدم کیسے گر گئی......؟'' جھجکتے ہوئے ماریہ نے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔ عمر کو ایک دو پل لگے تھے ماریہ کی بات کی گہرائی میں جانے میں اور جب بات اس کی سمجھ میں آئی تو غصے سے ایک دم صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپا آپ نے ایسی گھٹیا بات میرے متعلق سوچی بھی کیسے......؟'' وہ غصے سے ایکدم بولا تھا۔ ماریہ بھی ایکدم کھڑی ہوئی، عمر کے تیوروں سے وہ ایکدم خائف ہوئی تھی۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا...... تم نے رات جب اسے دیکھا تھا، تو کہہ رہے تھے کہ یہ بہت خوبصورت ہے...... تو میرے ذہن میں یہ آیا کہ شاید کوئی ایسی بات ہوئی ہو......؟''

''وہ خوبصورت ہے تو میں نے جو احساسات تھے فوراً کہہ ڈالے۔ میں بھلے ایک آزاد روشن خیال ملک میں رہ کر آیا ہوں مگر اپنی قدروں اور اپنی ماں جی کی تربیت کو کبھی ایک لمحہ بھی فراموش نہیں کیا۔ میرے کردار میں نہ پہلے کبھی جھول آیا تھا اور نہ ہی آج آیا ہے۔ مجھے حیرت ہی نہیں دکھ بھی ہو رہا ہے کہ آپ نے میرے بارے میں ایسی بات کیسے سوچ لی؟ بھلے حادثے کے وقت حویلی میں کوئی موجود نہ تھا اور میرا اس وقت یہاں موجود ہونا بھی محض اتفاق ہی تھا، مجھے نہیں علم کہ وہ اوپر کیوں آئی تھی، مگر آپ کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ میرا اس سارے معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں...... میں اپنے دل میں اس کے لیے ویسی ہی عزت محسوس کر رہا ہوں جیسی کہ آپ اور ماں جی کی محسوس کرتا ہوں۔'' وہ دکھ، کرب، اذیت سے کہہ رہا تھا۔

ماریہ نے گہرا سانس لیتے اس کا بازو تھام لیا۔

''ایم سوری...... یہ محض خیال تھا جو مجھے تنگ کر رہا تھا۔ سوچا تم سے کلیئر کرلوں۔ پلیز برا نہ ماننا......'' عمر لب بھینچے سنجیدہ تاثرات لیے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''دراصل چاچی مختار کا گھرانہ پہلے ہی کافی کرائسس سے گزر چکا ہے۔ چاچا طفیل تمہیں یاد ہو شاید جب تم حویلی میں رہتے تھے تو ان کے بارے میں نجانے کیسی کیسی باتیں مشہور تھیں۔ وہ شرابی اور جواری ہی نہیں بلکہ طوائفوں کے چکر میں بھی رہتے تھے۔'' ماریہ باجی نے بتانا شروع کیا تو عمر نے چہرہ موڑ کر بڑی بہن کو دیکھا۔ اسے یہ سب بہت اچھی طرح یاد تھا۔

''اسی چکر بازی میں آہستہ آہستہ انہوں نے نہ صرف ہمارے دونوں ماموؤں کے ہاتھوں اپنی زمینیں بیچیں پھر جو

تھوڑی بہت دولت تھی وہ بھی طوائفوں کے چکر میں اڑا دی۔ چاچی مختار بڑی باہمت خاتون ہیں ایسے حالات میں انہوں نے بڑی استقامت اور ہمت سے سب برداشت کیا۔" عمر ماریہ کی بات بغور سنتے کچھ الجھ گیا۔ حمدہ کے گرنے سے پہلے اس نے کچھ اور دیکھا تھا' باقر علی نے جس طرح اس کی کلائی تھامی اور حمدہ کا رونا۔

"چاچی مختار نے نگہت کی شادی اپنے بھتیجے کے ساتھ کم عمری میں ہی کردی اور پھر ساجدہ کو بھی اپنی کسی خالہ زاد بہن کے بیٹے سے بیاہ دیا۔ رہ گیا قمر وہ لڑکا تھا' دن بدن خراب ہوتے حالات کے باوجود مختار چاچی نے اسے شہر ہوسٹل میں پڑھنے کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ اب ان کی تمام امیدوں کا مرکز قمر ہی تھا۔ چاچا طفیل اپنی غلط صحبت کی وجہ سے مہینوں گاؤں سے غائب رہتے تھے اور جب بھی گاؤں آتے تھے چاچی کے لیے وجہ پریشانی بن جاتے تھے۔ زمینیں بیچیں پھر جمع شدہ رقم ختم ہوئی تو نوبت چاچی کے زیورات تک پہنچ گئی۔ چاچی حالات دیکھ رہی تھیں انہوں نے نگہت اور ساجدہ کی شادی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر ابھی ان کے دو بچے بیاہنے والے رہتے تھے۔ قمر اور حمدہ بھی ابھی زیر تعلیم تھے۔ انہوں نے وہ سارا زیور "ماں جی" کے پاس امانتاً رکھوا دیا۔" ماریہ باجی چند پل کو خاموش ہوئیں عمر کی دلچسپی ایک دم اس معاملے میں خاصی بڑھ گئی۔

"پھر کیا ہوا......؟"

"تم نے چاچی مختار کی سفید حویلی دیکھی ہے نہ بچپن میں؟" عمر نے ماریہ کے پوچھنے پر سر ہلا دیا۔

"جب چاچا طفیل چاچی مختار کو ہر طرح سے بے بس کر چکے تو چاچی حمدہ کو لے کر اپنے میکے چلی گئیں' پیچھے چاچا نے باقر علی کے ہاتھ وہ حویلی بیچ دی۔"

"کیا واقعی؟"

"ہوں اب وہ حویلی باقر علی کے قبضے میں ہے۔ چاچی چند سال اپنے میکے میں رہیں پیچھے چاچا طفیل کے وہی مشغلے رہے۔ ایک دفعہ باقر علی کا کسی کام سے چاچی کے میکے جانا ہوا' وہاں اس نے حمدہ کو دیکھا' حمدہ کی خوبصورتی نے اسے اتنا متاثر کیا کہ اس نے چاچا طفیل کو اپنی انگلیوں پر نچانا شروع کر دیا۔ چاچا طفیل نے باقر علی کے کہنے پر بار بار چاچی کے میکے گیا ان کو لینے اور پھر مجبوراً چاچی کو واپس آنا پڑا۔ اس دوران قمر کا شہر میں تعلیم کے دوران کسی امیر ماں باپ کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ افیئر چلا اور اس نے چپ چاپ شادی کرلی۔ چاچی کو پتا چلا تو وہ بہت بیمار ہوگئیں۔ قمر ان کی تمام امیدوں کا مرکز تھا۔ چاچا کو پتا تھا کہ بیمار چاچی ان کی راہ میں اتنی مزاحمت نہیں کر پائیں گی انہوں نے حمدہ کا رشتہ باقر علی کے ساتھ طے کر دیا۔"

"کیا......؟" عمر تو اب حقیقتاً چونکا تھا۔

"پہلے باقر علی نے دھوکے سے اونے پونے داموں چاچا طفیل سے حویلی خریدی پھر حمدہ کا رشتہ مانگ لیا۔ باقر علی ہماری ممانیوں کا بھائی ہے' بالکل فراڈ' لوفر اور بدمعاش فطرت کا حامل۔ کئی جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔" ماریہ باجی بڑے دکھ سے یہ سب بتا رہی تھیں۔

"اور چاچا طفیل اپنی غلط صحبت کی وجہ سے پہلے ہی آدھے ہو چکے تھے' زمین اپنے ہاتھوں سے گنوا دی تھی' دولت رہی نہ تھی' باقر علی کے ہاتھوں وہ بلیک میل ہو رہے تھے' ان حالات میں چاچی مختار نے ایک دفعہ پھر حوصلہ کیا۔ بڑی مشکلوں سے حمدہ کو پڑھایا' خود اس کے ساتھ کالج جاتی تھیں' ہر جگہ اس کا سایہ بنی رہیں۔ انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں حمدہ اور باقر علی کے رشتے سے انکار کر دیا تھا' وہ کونسا غیر شادی شدہ تھا' ایک بیوی تھی دو بچے تھے' مگر حمدہ کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ تمہیں پتا ہے سفید حویلی کے سامنے کچھ زمین بھی چاچا طفیل کے نام تھی۔"

"ہاں......" عمر کو اچانک یاد آیا کہ حویلی کے سامنے ایک ڈیرہ تھا جہاں کبھی کبھار چاچا طفیل کے مہمان آ کر رہا کرتے تھے۔

"جب چاچا طفیل نے حویلی باقر علی کے ہاتھ بیچی تو یہ لوگ اس ڈیرے پر آ گئے' ایکدم حویلی سے ڈیرے تک کا سفر چاچی نے بڑی ہمت اور حوصلے سے طے کیا اور جب باقر علی سے حمدہ کے رشتے سے چاچی نے انکار کر دیا تو چاچا

طفیل ان کے خلاف ہو گئے تب ماں جی حمدہ اور چاچی کو حویلی لے آئیں۔ قمر کبھی کبھار چکر لگاتا تھا مگر اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا اور پھر وہ اپنی بیوی کے ساتھ دبئی شفٹ ہو گیا تو چاچی کے لیے ہر آس ختم ہو گئی۔ ادھر باقر علی کا حمدہ سے شادی کا تقاضا بڑھنے لگا' مگر چاچی ڈٹی رہیں' ایک دن چاچا طفیل کا کسی جواری کے ساتھ نشے کی حالت میں جھگڑا ہوا تو گولی لگ گئی چند دن وہ اسپتال میں رہے اور پھر چاچا فوت ہو گئے۔ باقر علی اب بھی حمدہ کو اپنی منگیتر سمجھتا ہے' اس کے بعد چاچی نے اپنے میکے میں ہی حمدہ کا رشتہ دیکھا' وہ لوگ حالات سے باخبر تھے' چاچی نے خاموشی سے نکاح کر دینا چاہا' جس دن وہ لوگ گاؤں بارات لے کر آئے باقر علی کو علم ہو گیا' اس نے دلہا کو یرغمال بنا لیا۔ بہت گولیاں چلائیں مرنے مارنے پر تل گیا۔ پھر گاؤں کے بڑوں کے درمیان میں آنے سے اس نے اس لڑکے کو چھوڑ دیا مگر اب حمدہ کی ذات ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے' چاچی نے بڑی دونوں لڑکیاں کم عمری میں ہی بیاہ دی تھیں' اس ایک واقعہ کے بعد کہیں بھی حمدہ کے رشتے کی بات نہیں چل پائی' یہ کچھ عرصہ حویلی میں رہی تھیں مگر پھر ہماری بڑی اور چھوٹی ممانیوں کی طنزیہ باتوں کو دیکھتے چاچی واپس اسی ڈیرے میں چلی گئی ہیں۔ یہ دونوں ادھر ہی رہتی ہیں۔ باقر علی مستقل سفید حویلی میں تو نہیں ہوتا مگر اکثر وہ ادھر آتا رہتا ہے اور جب بھی آتا ہے حمدہ کے لیے زندگی مشکل بنا دیتا ہے۔ اسے دھمکاتا رہتا ہے' اس کی بیوی اس کی انہی حرکتوں کی وجہ سے اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔"

عمر کے ذہن میں ایک دم سارا معاملہ کلیئر ہوا یقیناً اس نے چند گھنٹے پہلے جو بھی دیکھا تھا وہ بھی شاید اسی سلسلے کی کوئی کڑی تھی۔

"میں تمہیں یہ ساری باتیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ رات جس طرح تم حمدہ کو دیکھ کر برملا اس کی خوبصورتی کا اظہار کر رہے تھے اس سے مجھے خدشہ ہوا کہ تم اسے کہیں کوئی عام لڑکی نہ سمجھ بیٹھو۔ وہ کافی کم گو سنجیدہ مزاج اور بہت زیادہ سلجھی ہوئی لڑکی ہے' جس طرح اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی اور پھر اب باقر علی کا کردار یہ سب حوالے اسے بہت تکلیف دیتے ہیں۔ چاچی مختار کو ہم پر بہت اعتماد ہے' وہ جب بھی کہیں جاتی ہیں حمدہ کو حویلی چھوڑ جاتی ہیں۔ آج کل بھی وہ اپنی بھاوج کے بھائی کی وفات کی وجہ سے میکے گئی ہوئی ہیں۔ اسی لیے آج کل حمدہ حویلی میں نظر آ رہی ہے۔ شام کو چاچی نے آ جانا ہے تو حمدہ چلی جائے گی۔" عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"وہ یقیناً ایک اچھی اور بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اس پر پہلی نگاہ ڈالنے سے ہی اس کے کردار کی حقیقت اور سچائی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ میں نے رات کو محض اپنے محسوسات کا اظہار کیا تھا' مگر یہ حادثہ جب ہوا تو وہ اوپر ہی آ رہی تھی وہ کیوں آ رہی تھی یہ مجھے نہیں علم۔" عمر نے بات پوری کی تو ماریہ مسکرا دی۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔"

"میں بھلے مغربی معاشرے میں ایک لمبا عرصہ گزار کر آیا ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ ماموں اور ان کی فیملی کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے نہیں لگا کہ میں نے اتنا لمبا عرصہ اپنے گاؤں یا حویلی سے دور گزارا ہے۔ آپ ماموں اشفاق کی سخت گیر طبیعت سے اچھی طرح واقف ہی ہیں' ان کی یہ سخت گیری ہی تھی کہ آج میں اس ماڈرن معاشرے کی تمام تر برائیوں سے دور بالکل صاف ستھری شخصیت کا حامل بن پایا ہوں۔ آپ کے ذہن میں شاید یہ تھا کہ جس طرح میں نے حمدہ کی خوبصورتی کی برملا تعریف کی ہے کہیں میں ماڈرن اور بے باک معاشرے کی سی شخصیت کا مالک تو نہیں بن گیا مگر ایسی بات نہیں' میرے نزدیک میری قدریں اور ماں جی کی تربیت کا اولین تاثر بہت اہم تھا اور میں نے زندگی کے ہر معاملے میں ہر قدم پر اپنی قدروں کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ خصوصاً ماں جی کی تربیت کو۔" ماریہ مسکرا دی۔ وہ ایسا ہی بھائی چاہتی تھی' ہر خامی' ہر برائی سے پاک' عورت کی دل سے عزت کرنے والا۔

"تم نے لنچ بھی نہیں کیا۔ آؤ نیچے چلتے ہیں' ماں جی تمہارے لنچ نہ کرنے پر پریشان ہو رہی ہیں۔ اسی لیے

میں اوپر آئی تھی۔"

ذہن میں موجود خدشات ختم ہوگئے تو عمر کا ہاتھ تھام کر ماریہ باجی نے قدم باہر کی طرف بڑھا دیئے تھے۔

......☆☆☆......

اماں شام کے قریب آ گئی تھیں' کچھ دیر بعد حمدہ کے پاس آئیں تو اس کی شدید چوٹوں کو دیکھ کر خاصی پریشان ہوگئی تھیں۔ چوٹوں کے علاوہ بخار نے بھی آ لیا تھا۔ اماں حمدہ کی حالت دیکھ کر متوحش ہوچکی تھیں مگر ماں جی' ماریہ وغیرہ کے بار بار دلاسہ دینے پر وہ آج رات حمدہ کی وجہ سے ادھر ہی رکنے پر آمادہ ہوگئی تھیں دوسرا گاؤں میں داخل ہوتے ہی انہوں نے باقر علی کو دیکھ لیا تھا۔ اب حمدہ کی اس خراب حالت کی وجہ سے وہ دو کمروں والے ڈیرہ نما گھر میں جانے کا رسک نہیں لے سکتی تھیں۔

کھانے کی میز پر انہوں نے عمر کو دیکھا' اس سے پہلے عمر کہیں باہر نکلا ہوا تھا' جس کی وجہ سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔ انہیں سلجھا ہوا عمر خاصا پسند آیا تھا۔ آج کھانے کی میز پر ماریہ اس کا شوہر بچے بی بی کے علاوہ مختار چاچی اور عمر بھی تھے' جبکہ حمدہ بخار کی وجہ سے "بی بی" کے کمرے میں ہی تھی' کچھ دیر پہلے مختار چاچی نے خود کھانا کھلا کر دوا کھلائی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد سبھی ہال کمرے میں چلے آئے تھے۔ عمر کچھ دیر ان سب کے پاس بیٹھا پھر ایکسکیوز کرتا وہاں سے اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں جانے کی بجائے بی بی کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا جہاں حمدہ رکی ہوئی تھی۔ حمدہ کی بینڈیج ہونے کے بعد وہ دوبارہ اس کمرے میں نہیں آیا تھا۔ حمدہ مسلسل غنودگی میں رہی تھی' اب یقیناً وہ جاگ رہی ہوگی۔ عمر نے اندر داخل ہونے سے پہلے دروازے پر دستک دی تھی۔

"آ جائیں......" حمدہ جاگ رہی تھی۔

عمر نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ بی بی کے بستر پر دراز دروازے کی ہی طرف دیکھ رہی تھی' اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی' عمر کو دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام...... آپ......؟" عمر سے ابھی تک براہ راست کوئی تعارف نہیں ہوا تھا۔ کل رات کھانے کی میز پر جس طرح دونوں بہن بھائی سرگوشیوں میں گفتگو کررہے تھے اس سے وہ یہی سمجھی تھی کہ وہ دونوں اسی کے متعلق باتیں کررہے ہیں اور پھر جس طرح عمر اسے گاہے بگاہے دیکھتا رہا تھا اس سے بھی وہ خاصی الجھ چکی تھی۔ حادثے کے وقت وہ اسی عمر سے ٹکراؤ کے سبب گری تھی' اس کا سر سیڑھی کے کنارے سے لگنے سے پھٹا تھا۔ اس کے بعد جب وہ گری تھی تو فوراً حواس کھو بیٹھی تھی۔ عمر کو کمرے میں دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"آپ لیٹی رہیں میں بس آپ کی طبیعت دریافت کرنے آیا تھا۔" عمر کے کہنے پر وہ اسی طرح لیٹی رہی۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟ ماریہ باجی بتا رہی تھیں کہ اب بخار بھی ہوگیا ہے آپ کو۔" وہ ایک طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں......" بظاہر دھیمے لہجے میں اس نے کہا تھا مگر اس سے بھی اس کے اندر کی نقاہت کا بخوبی ادراک کیا جاسکتا تھا۔ بخار کی حدت کی وجہ سے چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

ایک بار پھر اس کو اپنا دل ایک مقناطیسیت کی کشش کی وجہ سے حمدہ کی طرف کھنچتا محسوس ہوا۔ وہ خوبصورت تھی۔ مگر اس کی خوبصورتی میں مقناطیسیت جیسی کشش تھی' جو مقابل کو پورے زور سے اپنی طرف کھینچ سکتی تھی۔ مگر اس خوبصورتی کے باوجود اس وجود میں ایک اور بات بھی تھی جو اس وجود پر کل رات پہلی نگاہ ڈالنے کے فوراً بعد ہی وہ محسوس کر گیا تھا۔

یہ خاص بات اس لڑکی کا ڈھکا چھپا انداز اور سراپا تھا۔ اس کے کردار کی حیا تھی۔ اس کی تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی وہاں عورت بڑی ارزاں چیز تھی مگر یہاں آنے کے بعد بی بی' ماریہ' ممانیوں اور ان کے بچوں کے علاوہ جو تیسرا وجود اس نے دیکھا تھا وہ یہی ذات تھی اور جس طرح اس کی ذات میں وقار اور رکھ رکھاؤ جھلکتا تھا' شاید ایسی خاص کیفیت اور

بات اس نے کسی اور عورت میں محسوس نہ کی تھی۔

"سر کا زخم کیسا ہے؟" دونوں کے درمیان بے معنی سی خاموشی در آئی تو عمر نے خود ہی گھبرا کر پوچھ لیا۔

"درد ہو رہا ہے۔" درد کی اذیت اس کے چہرے سے بھی چھلک رہی تھی۔

"ذوالفقار بھائی کو کہتا ہوں وہ کوئی پین کلر دے دیں۔ آپ کا بازو اور دایاں پاؤں بھی زخمی تھا نا۔"

"جی' مگر سر میں زیادہ درد ہو رہا ہے۔" اپنی بینڈیج ہوئی کلائی اس نے اٹھا کر اپنے سر کی پٹی کو چھوا۔

"اس کے علاوہ کہیں اور چوٹ تو نہیں لگی؟" عمر پوچھ رہا تھا' حمرہ بس نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔ جبکہ کمر پر قلابازی کھا کر گرنے سے جو چوٹیں لگی تھیں وہ ہر کروٹ پر تکلیف دے رہی تھیں۔ شاید اس لیے بخار نے بھی آلیا تھا' یوں لگ رہا تھا کہ جیسے جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا ہے۔ عمر کے سوال پر بس ایک لحظہ کو اس کی نگاہوں میں دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔

"میں ذوالفقار بھائی اور ماریہ باجی کو بھیجتا ہوں' اگر کہیں اور بھی تکلیف محسوس کر رہی ہو تو باجی ماریہ کو بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ بھائی جان سے کہہ کر بہتر ٹریٹمنٹ کروا سکتی ہیں۔" اس کے چہرے سے عمر نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے کہیں اور بھی تکلیف ہو رہی ہے مگر کہہ نہیں پا رہی۔

حمرہ نے خاموشی سے نگاہیں پھیر لیں۔ نجانے کیوں جب بھی اس نے اس شخص کی طرف نگاہ ڈالی تھی' اسے بڑی توجہ سے اپنی طرف دیکھتا ہی پایا تھا۔

"جی بہتر......" نجانے ان آنکھوں میں کیسا تاثر تھا کہ وہ سر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر پائی تھی۔

"اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ شب بخیر' اینڈ اللہ حافظ۔" ایک بھرپور نظر اس کے وجود پر ڈال کر وہ باہر نکل گیا تھا اور حمرہ اس شخص کی آنکھوں کے تاثر کو ہی لے کر خاصی الجھ چکی تھی اوپر سے اس کے یہ الفاظ۔

"اپنا بہت خیال رکھیے گا۔" ان الفاظ نے اسے مزید ہراساں کر ڈالا تھا۔

"تو کیا باقر علی کے بعد اس جیسی ایک اور آزمائش میری منتظر ہے۔" اس سوچ نے اس کی رنگت ہلدی کی مانند زرد کر ڈالی تھی۔

حمرہ نے بہت بے دم ہو کر اپنا سر تکیے پر گرا لیا تھا۔

......☆☆☆......

ایک دو دن میں حمرہ کا بخار اترا تو مزید دو دن اس کو اماں نے زبردستی کالج سے چھٹیاں کروا کر آرام کروایا تھا۔ اس کے بعد وہ اب کالج جا رہی تھی' حویلی سے وہ اپنے گھر اگلے دن ہی آ گئی تھیں۔ اس دن کے بعد وہ ابھی تک دوبارہ حویلی نہیں گئی تھی۔ اس گاؤں کی چند لڑکیاں بھی اسی کالج میں داخل تھیں تو وہ صبح سویرے ان کے ساتھ ہی کالج کے لیے نکل جاتی تھی' یہ مقامی سطح پر اپنی مدد آپ کے تحت چلایا جانے والا کالج تھا۔ دو بجے وہاں سے واپسی ہوتی تھی تو اس کے بعد وہ گھر آ کر گھر کے کاموں میں لگ جاتی تھی۔ شروع کے ایک دو دن ماریہ باجی مسلسل بی بی کے ساتھ آ کر اس کی عیادت کر جاتی تھیں پھر جب اس نے کالج جانا شروع کیا تو ماریہ باجی نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ اماں خود وہاں دن میں چکر لگاتی رہتی تھیں۔ انہی سے حمرہ کو پتا چلا کہ ماریہ باجی چند دن بھائی کی آمد کی وجہ سے جو میکے آئی تھیں اب واپس چلی گئی ہیں اور ماریہ باجی کی غیر موجودگی میں بی بی اکیلی ہوتی تھیں یا آج کل ان کا بیٹا عمر تھا۔

کالج سے واپسی پر اپنے ساتھ روزانہ آنے والی دونوں لڑکیوں کے ہمراہ قدم اٹھاتے وہ جیسے ہی شہر کی حدود سے نکل کر کچے رستے پر ہوتی تھی تو عمر ہاشم کو اس جگہ پر آنکھیں جمائے دیکھتی تھی اور جیسے ہی وہ اسے دیکھ لیتا تھا دوبارہ اپنے مزارعوں کے ساتھ مصروف گفتگو ہو جاتا تھا مگر حمرہ کی قدم قدم تک اس شخص کی پہلی نگاہ کی حدت دور تک محسوس کرتی رہتی تھی اور پھر گھر جا کر وہ الجھتی رہتی۔

"ہو سکتا ہے مجھے ہی وہم ہوتا ہو؟ اس شخص کی نگاہ میں وہ تاثر ہی نہ ہو جو مجھے محسوس ہو رہا ہے۔" اس نے اپنے آپ کو بہلایا مگر کوئی احساس تھا جو اس کے اندر گھر جانے

تک کروٹیں لیتا رہا تھا۔

گھر آ کر کپڑے بدل کر کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹی تو اماں اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"سونے لگی ہو......؟"

"جی...... خیریت کوئی بات ہے؟" اماں اسے کچھ متفکر اور پریشان دکھائی دیں تو دوبارہ اٹھ بیٹھی۔

"ہاں...... وہ آج باقر علی آیا تھا۔" اماں نے کہا تو حمرہ سانس روکے اماں کو دیکھنے لگی۔ یہ شخص اس کی زندگی کا ایک رستا ہوا ناسور تھا۔ کبھی کبھار تو حمرہ کا جی چاہتا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس شخص کا جان لیوا تصور تک نہ ہو۔

"پھر......؟"

"اچھی خاصی دھمکیاں دے کر گیا ہے...... سچ مانو تو عثمان والے واقعے کے بعد میں خود بھی ڈر گئی ہوں۔ ایک تنہا عورت کب تک ایسے درندوں کا مقابلہ کرے؟ وہ زور آور ہے' میں گئی تھی آج بڑی حویلی بی بی کو لے کر باقر علی کی دونوں بہنوں سے بات کرنے تو انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اس سلسلے میں وہ کوئی مدد نہیں کر سکتیں' ان کا بھائی ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ چھوٹی تو مشورہ تک دینے لگ گئی کہ کہیں نہ کہیں تو تمہارا رشتہ کرنا ہی ہے تو پھر باقر علی سے ہی کر دوں...... میرے دل پر جیسے ہاتھ پڑا تھا' میں بھی اچھی خاصی سنا کر آئی ہوں...... پر باقر علی جاتے ہوئے دھمکی دے کر گیا تھا کہ اب انتظار نہیں کرے گا' ایک دو دن میں پھر چکر لگائے گا۔"

حمرہ نے خاموشی سے ماں کو دیکھا' کئی سالوں سے اس کی ماں تن تنہا اس جیسے جنگلی درندے کے سامنے دیوار بنی کھڑی تھیں اس کے لیے مسلسل لڑ رہی تھیں آخر کب تک......؟ آج اس کی ماں پریشان تھی یقیناً وہ اچھا خاصا دھمکا کر گیا ہوگا۔ حمرہ کو لگتا تھا کہ ہر گزرتا دن باقر علی اس کے گرد شکنجہ کستا چلا جا رہا ہے۔ عثمان والے واقعے کے بعد اماں کو امید تھی کہ وہ اپنے میکے میں ہی اسے کہیں نہ کہیں کھپا لیں گی مگر اب سبھی کو اپنے بیٹے عزیز تھے۔ حمرہ کی خاطر وہ بھلا کیونکر باقر علی سے دشمنی مول لے لیتے۔ بھائی اس کا خود ڈر کر لندن جا بیٹھا تھا' بہنوں کی اپنی زندگی تھی' باپ کا کیا وہ بھگت رہی تھی۔

"تو پھر اب کیا سوچا آپ نے؟" بڑی اذیت سے اماں کے چہرے کو دیکھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ تم کو سرگودھا اپنی خالہ کے گھر بھیج دوں۔ میں پچھلے دنوں فوتگی پر جب گئی تھی تو میری سرگودھا والی خالہ بھی ادھر آئی ہوئی تھیں۔ شادی کے بعد چند ایک بار ہی سرگودھا آنا جانا ہوا ہے۔ خالہ کو ساری بات بتائی تو کہنے لگیں کہ تمہیں ان کے پاس بھیج دوں اور کسی سے ذکر بھی نہ کروں۔ گاؤں والے یہی کہتے رہیں گے کہ ہم دونوں کہیں چلی گئی ہیں' بھلے کہتے رہیں اب ایک باقر علی کی وجہ سے تمہاری زندگی برباد کرنے سے تو رہی؟ بی بی سے میں نے ذکر کیا ہے...... وہ کہہ رہی تھیں کہ اچھا فیصلہ ہے...... جس طرح باقر علی آج کل کچھ بھی کر دینے پر تلا ہوا ہے' مجھے تو خود ڈر لگنے لگ گیا ہے۔ آج صاف کہہ گیا ہے کہ اگر میں ایک دو دن میں نکاح کا بندوبست نہیں کر سکی تو وہ خود تمہیں اٹھوا لے گا۔ گاؤں والوں نے خاصا بیچ بچاؤ کروایا ہے۔ اب تو برادری والے بھی کہنے لگ گئے ہیں کہ کہیں نہ کہیں تو تمہارا بیاہ کرنا ہی ہے نا تو باقر علی سے ہی کر دوں۔" حمرہ نے لب بھینچ کر سر جھکا لیا۔

"میں خالہ کا نمبر لے آئی تھی' آج بی بی کے ہاں ان سے مشورے کے بعد خالہ کو کال کی تھی' وہ کہہ رہی تھیں کہ ایک دو دن میں تمہیں لے کر سرگودھا آ جاؤں اور کسی سے بھی ذکر نہ کروں' اس کے بعد کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر تمہاری شادی کر دیں گے۔"

"اور شادی کر دینا جیسے بڑا آسان کام ہے نا؟" حمرہ کا جی چاہا کہ کہہ دے مگر متفکر اور پریشان ماں کو وہ اپنے لفظوں سے مزید چھلنی نہیں کر سکتی تھی۔

"اور اگر باقر علی کو پتہ چل گیا تو......؟"

"نہیں چلے گا...... بی بی کے علاوہ کسی اور کو پتا ہی نہیں ہوگا کہ ہم کہاں ہیں......؟" اماں خاصی پرجوش تھیں لگتا تھا کہ وہ سارے حالات کا اچھی طرح تجزیہ کر کے اس سے

بات کررہی تھیں۔

"اماں آپ قمر بھائی سے بات کریں...... ہوسکتا ہے وہ ہمیں اپنے پاس بلوالیں۔" حمدہ نے ایک امید بھری نگاہ سے اماں کو دیکھا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"قمر سے اگر امید ہوتی تو یہ حالات یہاں تک پہنچتے ہی کیوں؟ باقر علی جتنا بھی بدبخت سہی مگر ایک دفعہ قمر اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوجاتا تو ساری برادری نے ہمارا ساتھ دینا تھا۔ میں نے کئی بار اس سے فون کرکے بات کی ہے پر ہر بار ٹال جاتا ہے۔" حمدہ نے خاموشی سے سر جھکالیا۔

"میں چھوٹی حویلی جارہی ہوں آج باقر علی کو میں نے سامنے والی حویلی میں دیکھا تھا۔ تنہا گھر میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں اٹھو میرے ساتھ ہی چلو۔" باقر علی کے ذکر پر وہ فوراً بستر سے اتر گئی تھی۔ اماں ایک منٹ کے لیے اسے گھر میں تنہا نہیں چھوڑتی تھیں۔ خصوصاً ان دنوں تو ہرگز نہیں جب وہ گاؤں یا سامنے والی حویلی میں دکھائی دے جاتا تھا۔

"کتاب وغیرہ لینی ہے تو لے لو...... میرا شام تک ادھر ہی رکنے کا ارادہ ہے۔ ہوسکتا ہے تب تک یہ منحوس باقر علی بھی یہاں سے دفعان ہوچکا ہو۔" اماں اسے ہدایت دے کر کمرے سے نکل گئیں تو وہ سر ہلاتی اپنی کتابوں والی الماری کی طرف بڑھی۔ اپنی براؤن چادر لے کر وہ جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔

......☆☆☆......

حمدہ کو چھوٹی حویلی میں آنا ہمیشہ سے ہی اچھا لگتا تھا' یہاں آنے کی بڑی وجہ یہاں کی خاموشی ہوتی تھی' بی بی اور ماریہ تنہا ہوتی تھیں۔ ماریہ کی شادی ہوگئی اور وقت نے کروٹ بدلی تو حمدہ لوگوں کی اپنی سفید حویلی بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور پھر کچھ عرصہ اماں کے ہمراہ اسے اس حویلی میں مستقل رہنا بھی پڑا تھا اماں کے میکے کی نسبت یہاں رہنے کو وہ ترجیح دیتی تھی' کہ یہ حویلی اسے ہمیشہ سے پسند تھی۔ اس حویلی میں اس کی دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ اوپر والے پورشن پر بنی لائبریری تھی۔ اس دن بھی باقر علی سے سامنے کے بعد وہ آنسو بہاتی حویلی میں آئی تھی تو اس کا ارادہ اوپر والے حصے میں بنی اس لائبریری میں جانے کا تھا کہ عمر سے ٹکرا گئی۔ اس دن کے بعد وہ دوبارہ حویلی نہیں آئی تھی' مگر جس طرح عمر کو کالج سے واپسی پر رستے میں چند دنوں سے دیکھ رہی تھی وہ سب اسے الجھا رہا تھا۔

اماں اسے حویلی چھوڑ کر خود زلیخا اماں کو لے کر نزدیکی بازار چلی گئی تھیں' وہ کچھ دیر بی بی کے پاس بیٹھی تھی عمر گھر پر نہیں تھا' حمدہ اس کی غیر موجودگی کا سن کر پرسکون ہوگئی تھی۔ عصر کی نماز بی بی اور اس نے اکٹھے ہی پڑھی تھی' نماز کے بعد بی بی نے کوئی وظیفہ شروع کردیا تو حمدہ زینہ طے کرتے اوپر لائبریری میں چلی آئی تھی۔

ماریہ کے پاس کتابوں کا اچھا کلیکشن تھا' وہ مختار مسعود کی آواز دوست نکال کر آرام دہ صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ سوئی نہیں تھی اب کتاب پڑھتے خود بخود نیند آنے لگی تو وہ اسی ٹو سیٹر صوفے پر نیم دراز ہوگئی تھی۔

......☆☆☆......

عمر جب حویلی لوٹا تو ماں جی کو مختار چاچی اور زلیخا اماں کے ہمراہ بیٹھے پایا اردگرد خریداری کا سامان تھا۔

"السلام علیکم......"

"وعلیکم السلام۔" تینوں نے اکٹھے جواب دیا تھا۔ اماں زلیخا اور مختار چاچی ابھی گاؤں لوٹی تھیں اور اس وقت بیٹھی خریدا ہوا سامان دیکھ رہی تھیں۔

"کہاں رہے آج سارا دن؟" ماں جی نے عمر سے پوچھا' وہ آج سارا دن حویلی سے غائب رہا تھا۔

"بس کہاں رہنا تھا' ماموؤں کی طرف چلا گیا تھا بڑی حویلی۔ ساری دوپہر وہاں گزار کر وہاں سے واپسی پر باغات کی طرف چلا آیا تھا پھر کچھ جاننے والے مل گئے تو سارا وقت ادھر ہی گزر گیا۔" عمر ماں جی کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا تھا۔

"آگے کا کیا سوچا ہے بیٹا؟" چاچی مختار نے پوچھا تو عمر ہنس دیا۔

"ارادہ تو میرا اپنا بزنس کرنے کا ہے مگر ماں جی چاہتی ہیں کہ میں شہر جاکر علیحدہ سے کچھ کرنے کی بجائے

ماموؤں کے ساتھ مل کر کام کروں یا پھر زمین وغیرہ کے معاملات دیکھوں۔"

"سوچ تو بی بی کی بھی ٹھیک ہے۔ تجربہ چاہیے ہوتا ہے۔ عرصے بعد لوٹے ہو کچھ وقت لگتا ہے ہر کام سمجھنے میں۔" مختار چاچی نے اپنی رائے دی۔

"چلیں دیکھتے ہیں کہ کیا کرتا ہوں' آپ سنائیں طبیعت ٹھیک ٹھاک ہے نا؟ گھر میں سب خیریت ہے نا......؟"

"اللہ کا شکر ہے......" مختار چاچی نے جواب دیا تو عمر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں چینج کرلوں۔"

"حمدہ کہاں ہے نظر نہیں آرہی......؟" عمر آگے بڑھا تو مختار چاچی نے بی بی سے پوچھا۔ عمر فوراً ٹھٹکا۔

"تو کیا حمدہ بھی آئی ہوئی تھی......؟" عمر کو اپنی دھڑکنوں میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا ہوتا محسوس ہوا۔

"وہ اوپر کتابوں والے کمرے میں ہے۔ مغرب کی نماز بھی شاید اندر ہی پڑھ لی ہوگی نیچے تو نہیں اتری ابھی تک۔" بی بی نے جواب دیا تھا۔

عمر فوراً پلٹا اور اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے لائبریری کی طرف چلا آیا تھا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پردے برابر تھے وہ پردہ ہٹا کر اندر بڑھا تو ٹھٹک گیا۔ وہ سامنے ہی صوفے پر نیم دراز محو خواب دکھائی دی۔ براؤن چادر اس کے وجود پر مخصوص انداز میں لپٹی ہوئی تھی' کتاب سینے پر دھری تھی ایک ہاتھ کتاب پر اور دوسرا پہلو میں تھا۔ وہ محو خواب عجیب سا ماورائی کردار لگی تھی یا پھر خوبصورت مصور کا تراشیدہ پوز۔ عمر کو لگا اس کے دل و دماغ میں ایک کوندا سا لپک گیا ہے۔ وہ مجسمہ حسن تھی' نازک پیکر بے خبری کے عالم میں بھی کسی کے وجود میں ہزار قیامتیں برپا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

عمر کا جی چاہا کہ آگے بڑھے اور بے خبری کی نیند میں محو اس نازک سے پیکر کو چھو کر دیکھے مگر عقل احساسات پر غالب آگئی تو اس نے وہیں دہلیز پر کھڑے کھڑے ہی دروازے کو ناک کیا تھا۔ ایک بار...... دوبار...... عمر نے تیسری بار ناک کیا تو حمدہ نے پلکیں وا کردیں۔

"حمدہ......؟" کسی نے پکارا تھا۔ نیند کی حالت میں اس نے صرف گردن گھما کر دیکھا مگر دروازے پر موجود شخص کو دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"آپ......؟" وہ اس جگہ عمر ہاشم کی موجودگی کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ ایکدم کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے سینے پر رکھی کتاب نیچے قالین پر جاگری تھی۔

"السلام علیکم...... کیسی ہیں آپ......؟" وہی مخصوص انداز تھا دیکھنے کا' حمدہ کنفیوز سی ہوگئی تھی۔

"وعلیکم السلام...... میں ٹھیک ہوں۔" کتاب اٹھا کر وہ عمر کی طرف سے رخ موڑ کر ریک کی طرف بڑھ گئی تھی۔ کتاب واپس اس کی جگہ پر رکھ کر پلٹی تو عمر کو اسی طرح کھڑے پایا۔

عمر کے دیکھنے کا انداز برقرار تھا۔ حمدہ کی پیشانی کی سلوٹیں واضح ہوگئیں۔ یہ شخص ایسے کیوں دیکھتا ہے......؟ وہ الجھ گئی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی......؟" عمر کا اس سے بات کرنے کا موڈ تھا' حمدہ نے محض سر ہلادیا۔

"سر کا زخم کیسا ہے اب؟"

"جی بہتر ہے۔"

"آپ کو میں نے شاید ڈسٹرب کردیا ہے۔ آپ کی نیند خراب کردی؟" حمدہ نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے عمر ہاشم کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں وہی مخصوص تاثر تھا وہ الجھ گئی۔

حمدہ کا جی چاہا کہ وہ اس کو اس طرح دیکھنے سے ٹوک دے جھڑک دے مگر پھر سر جھکالیا کہ وہ یہ سب نہیں کرسکتی تھی۔

"نہیں...... میں تو بس کتاب پڑھنے بیٹھی تھی نجانے کیسے نیند آگئی...... چلتی ہوں۔" وہ مزید ایک منٹ بھی وہاں رکے بغیر عمر کے قریب سے گزرتے تیزی سے نکل گئی تھی۔

......☆☆☆......

وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں وہی کتاب تھی

جو دو دن قبل اسٹڈی میں حمرہ کے پاس تھی۔ حمرہ کے جانے کے بعد وہ یہ کتاب لے کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور جب بھی فارغ ہوتا تھا یہ کتاب لے کر لیٹ جاتا تھا اس کتاب میں سے اسے حمرہ کے وجود کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

عمر اپنے اس پاگل پن پر خود حیرت زدہ تھا مگر وہ اس مسرور کن کیفیت سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں ایک حیات بخش سرور تھا۔ اس نے ایک بڑی پریکٹیکل لائف گزاری تھی' وہ عشق و محبت کو قطعی اہمیت دینے والا انسان نہ تھا اور پاکستان آتے ہی جس وجود سے سامنا ہوا تھا وہ حمرہ کا ہی تھا اور جس طرح حمرہ کے وجود کا احساس اس کے دل کے نہاں خانوں میں پیدا ہوا تھا وہ خود بھی اپنی اس کیفیت پر حیران تھا۔ حمرہ اپنے گھر جا چکی تھی اس کے گھر جا کر اس کو دیکھنے کی کوشش ناکام ٹھہری تھی اس کے اگلے روز ہی وہ ان کے ہاں گیا تھا مگر وہ میڈیسن لے کر سوئی ہوئی تھی چاچی مختار سے مل کر وہ آ گیا تھا اور پھر بار بار جانے کی بھی کوئی خاص وجہ نہ تھی بس چار دن اسی کشمکش میں گزرے تھے اور اس سے اگلے دن آموں کے باغات کی طرف جاتے ہوئے وہم وگمان بھی نہ تھا کہ جس چہرے کو دیکھنے کے لیے دل اس قدر بے قرار ہے وہ سردیوں کی اس دوپہر میں ایک دم اچانک یوں سرراہ نظر آ جائے گا۔

حمرہ پر پہلی نگاہ ڈالنے کے بعد اس نے نگاہ جھکا لی تھی وہ تنہا نہ تھی مگر اس کے بعد جو سکون جو قرار دل کو ملا تھا اپنی اس کیفیت پر عمر خود بھی پریشان تھا اور اگلے دن کل والے مخصوص وقت پر عمر ہاشم کے قدم خود بخود اسی راستے پر ہو لیے تھے اور حمرہ پر نگاہ پڑتے ہی اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ اس وجود سے انجانے میں پہلی نگاہ والی محبت کر بیٹھا ہے۔

"Love in first sight" کیا ہوتا ہے تب اس نے جانا تھا اور پھر اگلا پورا ہفتہ اسی مخصوص روٹین میں گزرا تھا۔ اب دل ایک نگاہ دیکھ لینے کے بعد مزید مراحل طے کرنے کی سوچ رہا تھا۔ دیکھنے کی لذت سے آشنا ہونے کے بعد وہ اب بات کرنے' روبرو ملنے کے تقاضے کرنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ خاصا پریشان کن مرحلہ ہے' مگر وہ اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھال رہا تھا کہ وہ اسے اچانک اسٹڈی میں نظر آ گئی تھی۔ وہ اب دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی تو عمر کو لگ رہا تھا کہ اگر اگلے چند گھنٹوں میں وہ اسے نظر نہ آئی تو وہ تمام تر احتیاط بالائے طاق رکھتے ان کے گھر پہنچ جائے گا۔ وہ بہانے بہانے سے نسرین اور اماں زلیخا سے اس کی طبیعت بھی دریافت کر چکا تھا' چند بار چاچی مختار بھی حویلی میں نظر آئی تھیں' بڑے رازدارانہ انداز میں ماں جی سے گفتگو کرتی دکھائی دی تھیں' ان سے بھی براہ راست اس نے حمرہ کی طبیعت کا پوچھ لیا تھا مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا تھا کہ وہ اچانک گھر میں کیوں قید ہو گئی ہے۔ کالج کیوں نہیں جا رہی۔ قوی امکان یہ بھی تھا کہ کہیں وہ پکی سڑک کی طرف سے تو نہیں جانے لگ گئی مگر صبح وہ فجر کے بعد سے اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر پکی سڑک کی طرف جانے والے راستے پر نگاہیں جمائے رکھتا تھا اور پھر نو دس بجے ناامید ہو کر وہاں سے ہٹ جاتا تھا۔

"کہاں گم ہو گئی ہو اچھی لڑکی...... نظر کیوں نہیں آ رہیں؟" اس وقت اپنے بستر پر لیٹا سینے پر کتاب رکھے وہ تصور ہی تصور میں حمرہ سے مخاطب تھا' جب اس کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"آ جاؤ......" عمر کو پتہ تھا کہ رات کے وقت اماں زلیخا اسے دودھ دینے آئی ہوں گی مگر ماں جی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ فوراً اٹھ بیٹھا تھا' کتاب سینے سے ہٹا کر سائیڈ پر رکھی تھی۔

"ماں جی آپ......" فوراً بستر سے اتر کر آگے بڑھ کر ماں جی کا ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا تھا۔

"خیریت......؟ کوئی کام تھا تو مجھے بلوا لیا ہوتا...... آپ نے اوپر آنے کی زحمت کی۔" خود بھی ماں جی کے ساتھ ہی بیٹھ کر پوچھا۔

ماں جی کو گھٹنوں کا درد رہتا تھا وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر

نہیں آتی تھیں۔ عمر کی بات پر مسکرا دیں۔

"ہاں بڑا ضروری کام تھا' سوچا خود ہی تمہارے پاس جاؤں......" عمر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"آپ حکم کریں ماں جی۔"

"جب سے آئے ہو بڑے خاموش رہتے ہو...... کوئی بات ہے؟ کوئی پریشانی ہے کیا......؟" وہ ماں تھیں اس کے اندر کے حال سے بھلے بے خبر تھیں مگر اس کی ظاہری بے قراری تو دیکھ سکتی تھیں نا۔ عمران کی اس درجہ فکرمندی پر مسکرا دیا۔

"بھلا آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا پریشانی ہو گی ماں جی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تم اتنا عرصہ گاؤں' حویلی اور رشتوں سے دور رہے ہو' اب عرصے بعد لوٹے ہو یہاں گاؤں میں بہت کچھ بدلا ہے۔ میں نے ساری زندگی تمہاری اور ماریہ کی خاطر تنہا گزار دی' تمہارے باپ اور ددھیال والوں نے جو بھی کیا میں وہ نہیں دہراؤں گی' تمہاری آس میں' میں نے یہ زندگی کاٹ دی ہے بیٹا......" ماں جی کہہ رہی تھیں' عمر الجھ گیا' یقیناً ماں جی بہت ہی خاص بات کہنا چاہتی تھیں۔ یہ سب تمہید تھی شاید۔

"ماں جی آپ جو بھی کہنے آئی ہیں بلا توقف کہہ دیں۔" عمر نے ان کے دونوں ضعیف ہاتھ تھام لیے تو وہ مسکرا دیں۔

"تمہارے بڑے ماموں نے اپنی بیٹی کا رشتہ ڈالا ہے۔"

"اوہ......" عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ماموں کی بیٹی زویا پڑھی لکھی بظاہر اچھی لڑکی تھی۔ اگر اماں چند دن پہلے جب وہ باہر تھا اس سے کہتی تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

"پھر آپ نے کیا کہا......؟"

"تمہاری مرضی کے بغیر میں بھلا کیسے ہاں کہہ سکتی تھی۔"

"آپ کی اپنی مرضی کیا ہے......؟" عمر نے سنجیدگی سے ماں جی سے دریافت کیا۔

"سچ پوچھو تو دونوں ماموؤں کے ہاں رشتہ داری کرنے کا میرا دل ہی نہیں مانتا۔ زویا اچھی بچی ہے مگر سالوں سے ہاسٹل میں رہ رہی ہے اس کے بارے میں کئی طرح کی باتیں مشہور ہیں' آزاد خیال ہے' گاؤں کے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔ پھر بھی تم ہر روز ماموں کے گھر جاتے ہو' ہو سکتا ہے تمہیں اچھی لگی ہو۔ مگر میں راضی نہیں ہوں اور سب سے بڑی بات باقر علی کی بھانجی ہے اپنے اس ماموں سے اس کی بہت بنتی ہے' اکثر باقر علی کے ساتھ اس کے گاؤں گئی ہوتی ہے۔"

"اوہ...... تو جب آپ کو پسند نہیں تو آپ انکار کر دیں۔ میں عرصے بعد لوٹا ہوں ماموں روز بلوا لیتے ہیں تو مروتاً مجھے جانا پڑتا ہے' ان کے ہاں چکر لگانے سے مراد یہ نہیں کہ میں زویا کو پسند کرنے لگ گیا ہوں یا میرا انٹرسٹ اس کی طرف ہے۔ نیور......" عمر نے واضح الفاظ میں انکار کر دیا تو ماں نے گہرا سانس فضا میں چھوڑا۔

"اس لیے میں نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ تم سے بھی پوچھ لوں۔"

"آپ صاف انکار کر دیں......"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ اس بات کے علاوہ بھی مجھے تم سے ایک بہت ضروری کام تھا۔" ماں جی اب اصل بات کی طرف آئی تھیں۔

"کیسا کام......؟"

"تمہیں آج رات تین بجے کے قریب ڈرائیور کے ہمراہ کسی کو لے کر سرگودھا جانا ہے۔" ماں جی کا انداز سرگوشیانہ ہو گیا تھا۔ عمر نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

"خیریت...... کس کو لے کر جانا ہے؟"

"تم مختار اور اس کی بیٹی کے حالات سے متعلق اتنے دنوں میں تھوڑا بہت باخبر ہو ہی گئے ہو گے؟" ماں جی نے پوچھا تو حمرہ کے ذکر پر وہ ایکدم فوراً کانشس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"جی...... ماریہ باجی نے ہی ان لوگوں کے حالات سے متعلق بتایا تھا۔"

"باقر علی کا تقاضا دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اب ہر دوسرے روز وہ مختار کے گھر پہنچا ہوتا ہے۔ حالات نے مختار کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ وہ اور اس کی بیٹی دنیا کی

نظروں میں تماشا بن گئی ہیں' کوئی بھی ان کی مدد کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتا۔ باقر علی کے پاس پیسہ ہے' اچھے برے ہر طرح کے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ غنڈہ گردی میں ماہر ہے۔ نہ اسے اپنی عمر کا خیال ہے اور نہ ہی کسی کی عزت بے عزتی کا۔" اماں کے لہجے میں دکھ اور تاسف تھا' عمر کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

"کیا ہوا ہے چاچی مختار کی بیٹی ٹھیک تو ہے نا......؟" اپنے آپ کو نارمل رکھنے کے باوجود وہ پوچھے بغیر نہ رہ پایا تھا' اس کے لہجے میں بے حد تشویش تھی۔

"ابھی تک تو وہ بیچاری عزت سے ہی ہے' مگر باقر علی مختار کو کل کہہ گیا تھا کہ اگلے مہینے کی بیس تاریخ کو شادی کی تیاری رکھے۔ بیچاری بڑی پریشان ہے' پیسہ سارا شوہر اپنی زندگی میں ہی برے کاموں میں اجاڑ گیا' ایک حویلی تھی وہ بھی اب باقر علی کے پاس ہے۔ لے دے کے یہ گھر جس میں رہ رہے ہیں اور نہر کے پاس والی زمین رہ گئی ہے' وہ بھی یوں کہ یہ مختار کے نام تھی۔ جب تم آئے تھے' مختار ایک فوتگی میں گئی تھی' مختار کی ایک خالہ ہے اس نے اپنی مرضی سے ایک خاصے جاگیردار بندے سے شادی کی تھی' اس فوتگی میں اس کی مختار سے بھی ملاقات ہوئی تھی' اپنی اس خالہ سے یہ لوگ کم ہی ملتے جلتے ہیں' مختار کے سارے حالات جان کر اس نے مختار کو کہا تھا کہ وہ بیٹی کو لے کر سرگودھا آجائے' اس کے بیٹے اعلیٰ اور اونچے عہدوں پر ہیں وہ سب سنبھال لیں گے۔ بس یہاں کسی کو پتا نہ چلے۔" عمر یہ سب سن کر ششدر رہ گیا تھا' اس کے دل و دماغ میں اس ساری گفتگو سننے کے بعد یہی خیال آیا تھا کہ وہ اب حمدہ کو نہیں دیکھ پائے گا' اسی تصور نے اسے اچھا خاصا پریشان کر ڈالا تھا۔

"پر اس کا کیا حل ہوگا؟"

"مختار نے اپنی خالہ اور اس کے بیٹوں سے اچھی طرح صلاح مشورہ کرکے ہی فیصلہ کیا ہے کہ آج رات حمدہ کو یہاں سے نکال دیا جائے' باقر علی گاؤں میں ہی ہے اس لیے آدھی رات کا انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ ہمارا ڈرائیور قابل بھروسہ ہے میں سمجھا دوں گی وہ کسی کے سامنے پھر زبان نہیں کھولے گا' تم کو ساتھ بھیج رہی ہوں کہ لڑکی ذات ہے' اتنا لمبا سفر ہے پھر اچھی خاصی خوبصورت اور جوان ہے' خدا جانے راستے میں کیا حالات ہوں' تم ساتھ ہوگے تو ہمیں تسلی رہے گی' تم حمدہ کو وہاں سرگودھا میں چھوڑ کر دو تین دن میں واپس آجانا' یہاں میں سب کو بتا دوں گی کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ مری سیر کے لیے نکلے ہوئے ہو۔ مختار نے دو دن سے حمدہ کو گھر سے نہیں نکلنے دیا۔ چند دن اسی طرح گزر جائیں گے۔ اگر کسی کو شک بھی ہوا تو مختار کہہ دے گی کہ حمدہ اپنی بہن نگہت کے پاس ہے۔ جانا تو مختار کو بھی ساتھ تھا مگر مختار اپنے خالہ زاد بھائیوں کے سمجھانے پر اب رک گئی ہے کہ اس طرح دونوں کے غائب ہونے پر کسی کو شک نہ ہو جائے۔ مختار ادھر ہی رہے گی تاکہ باقر علی اطمینان سے رہے' اگر اس کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ تو مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ حمدہ والے قصے کو اس نے زندگی موت کا معاملہ بنا رکھا ہے۔"

"پھر اس کے بعد کیا ہوگا اور جب اگلے ماہ تک حمدہ واپس گاؤں نہ پہنچی اور باقر علی شادی کے لیے آپہنچا تو پھر؟"

"مختار کے خالہ زاد بھائیوں نے اسے تسلی دی ہے کہ اس دوران وہ کہیں اچھی جگہ رشتہ دیکھ کر حمدہ کی شادی کروا دینے کی کوشش کریں گے' اور باقر علی نے پتا چلنے پر شور کیا تو وہ اس کا بھی بندوبست کرلیں گے۔ بس ایک بار حمدہ کی شادی ہو جائے۔" عمر کو لگا کہ اس کے اعصاب پر گویا بم پھٹا ہے۔

ماں جی کی ساری گفتگو سننے کے بعد اس کے دل کی بے قراری کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

"اور مختار چاچی کی خالہ کی فیملی کیسی ہے......؟ آئی مین کریکٹر وائز کیسے لوگ ہیں؟"

"مختار تو ان کی بڑی تعریفیں کرتی ہیں۔ پہلے ہمارا ارادہ یہی تھا کہ تم لوگ حمدہ کو چھوڑ کر واپس آجاؤ گے مگر پھر میں نے ہی مختار کو مشورہ دیا تھا کہ اکیلی جوان لڑکی کو اجنبی لوگوں میں چھوڑ کر آجانے کی کوئی تک نہیں بنتی۔ عمر تم چند دن وہاں رکنا' وہاں کے اندرونی حالات اور گھر والوں کے طور طریقوں کو اچھی طرح دیکھنا اگر تمہیں لگے کہ حمدہ کے وہاں رہنے میں خطرے والی کوئی بات نہیں تو ٹھیک ورنہ پھر جس طرح تم لے کر جاؤ گے واپس لے آنا۔" عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ یعنی اس کو حمدہ کے قریب رہنے کی کچھ مہلت مل رہی تھی۔

"کب نکلنا ہے؟"

"رات تین بجے...... حمدہ کو مختار حویلی میں چھوڑ گئی ہے۔"

"حمدہ اس وقت حویلی میں ہے......" عمر کے لیے یہ بات بڑی خوشگوار تھی۔

"تم سو جاؤ اب...... میں نے زلیخا اور نسرین دونوں کو چھٹی دے دی ہے' سلطان کو پتہ نہیں چلے گا میں تم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی حمدہ کو گاڑی میں سوار کروا دوں گی۔ سلطان کو یہی پتا ہوگا کہ تم اور ڈرائیور مری کی سیر کے لیے نکلے ہو۔ ہاں اپنی تیاری کرلینا' وہاں تمہیں چند دن رکنا ہوگا۔" بی بی جان اسے ہدایات دیتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آئیں میں آپ کو نیچے کمرے تک چھوڑ آؤں۔" یقیناً حمدہ نیچے ماں جی کے کمرے میں ہی ہوگی۔ اس کو دیکھنے' صرف ایک نگاہ دیکھ لینے کی خواہش اس قدر شدید تھی کہ ماں جی کے ساتھ فوراً وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم سو جاؤ......" ماں جی نے روکنا چاہا۔

"نہیں...... کچھ نہیں ہوتا......" وہ ماں جی کو بازوؤں کے حصار میں لیے کمرے سے نکل آیا تھا۔ ماں جی اس محبت پر مسکرا دی تھیں۔

زینہ طے کرکے وہ ماں جی کے کمرے کے سامنے رکا تھا۔ دروازے کے دوسری طرف وہ تھی مگر ماں جی نے دروازے کے باہر سے ہی اسے جانے کو کہہ دیا تھا' عمر کو لگا کہ وہ کنوئیں کے پاس پہنچ کر پیاسا لوٹایا جا رہا ہے۔ اس کے دل کی حالت عجیب سی ہو گئی۔

وہ ساری رات نہیں سو پایا تھا۔ وہ وقت سے بہت پہلے ہی اٹھ کر تیار ہو چکا تھا۔ تین بجے کے قریب وہ نیچے آیا تو اماں باہر سے آتی دکھائی دیں۔

"بشیر (ڈرائیور) آچکا ہے۔ اس کو ہی پتا ہے کہ تمہارے ساتھ چند دنوں کے لیے مری جا رہا ہے' اس کو رستے میں ہی سمجھا لینا۔ حمدہ کو میں گاڑی میں بٹھا آئی ہوں' یہ کچھ رقم ہے رکھ لو کام آئے گی۔" ماں جی اسے جلدی جلدی ہدایات دے رہی تھیں۔

"اس کارڈ پر سرگودھا جہاں پہنچنا ہے' اس جگہ کا سارا پتہ درج ہے' یہ فون نمبرز بھی ہیں۔ یہ مختار کی خالہ کا نمبر ہے وہ اچھی طرح سمجھا دیں گی۔" عمر نے اپنا سفری بیگ تھام رکھا تھا' اماں سے مل کر ان کو اچھی طرح تسلی دے کر وہ گاڑی کی طرف چلا آیا تھا' بشیر اصل صورت حال سے بے خبر تھا۔ اس نے فرنٹ ڈور کھولا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

سلطان بابا نے گیٹ کھول دیا تھا' بشیر نے گاڑی نکالی تو عمر نے اس دوران بھاری جیپ کے پردے برابر کر دیئے تھے۔ گاڑی کی لائٹ آف ہی تھی' عمر نے موبائل کی روشنی میں دیکھا۔ حمدہ اس کے دائیں طرف اپنی مخصوص چادر اپنے گرد لپیٹے بیٹھی ہوئی تھی۔ بس اس دفعہ فرق یہ تھا کہ اس بار چادر نے اس کے وجود کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کو بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ عمر دل کی ہزار خواہشوں کے باوجود اس کا چہرہ نہ دیکھ پایا تھا۔

"السلام علیکم......!" عمر نے آہستگی سے اسے پکارا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

"کافی لمبا سفر ہے' آپ آرام و سکون سے سو جائیں۔ آپ کو باحفاظت آپ کی منزل تک پہنچانا اب ہمارے ذمہ ہے۔" عمر نے اسی دھیمے انداز میں کہا تو حمدہ نے دوبارہ سر ہلا کر سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا لیا۔ گاڑی گاؤں کی حدود سے نکلی تو عمر نے گہرا سانس لیا۔

"بشیر گاڑی کی لائٹس آن کرلو۔" حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے لائٹس روشن نہیں کی تھیں۔ بشیر نے عمر کے حکم پر بیرونی لائٹس کے ساتھ ساتھ اندرونی لائٹ بھی روشن کر دی تھیں۔ عمر نے دیکھا لائٹ روشن ہونے پر حمدہ نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا' وہ یقیناً خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

"آپ رو رہی ہیں......؟" عمر کو اس کے رونے سے خاصی تکلیف ہوئی تھی۔ حمدہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ متوجہ تھا۔ وہی نگاہ کا مخصوص تاثر...... حمدہ کا دل لرز کر رہ گیا۔ وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی تھی۔

بشیر بھی لائٹ روشن ہونے کی وجہ سے اندرونی منظر دیکھ کر چونک گیا تھا۔ براؤن چادر میں لپٹا وجود اسے حیرت زدہ کرنے کو کافی تھا' مگر وہ الجھ گیا تھا بیک ویو مرر سے اس نے عمر کی طرف دیکھا مگر وہ جرأت کے باوجود پوچھنے کی ہمت نہ کر پایا۔ عمر نے اس کی توجہ محسوس کر لی تھی اور مسکرا دیا۔

"بشیر ہم مری نہیں بلکہ سرگودھا جا رہے ہیں۔ گاڑی سرگودھا روڈ کی طرف موڑ لو اور ہاں پریشان مت ہوں میں تمہیں رستے میں سمجھا دوں گا' اور گاڑی کی اندرونی لائٹ آف کر دو۔" اس کے بعد سفر خاموشی سے کٹنے لگا تھا۔ تین گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ گجرات دریائے چناب کا پل کراس کر رہے تھے تو وہاں ہوٹل کا انتظام دیکھ کر عمر نے گاڑی روکنے کو کہا تھا۔

"یہاں کیوں روکی ہے......؟" حمدہ نے چونک کر عمر کو دیکھا۔

"کچھ دیر یہاں ٹھہر کر فریش ہو لیں۔ سردی کی وجہ سے چائے یا کافی کی ضرورت ہوگی وہ پی لیتے ہیں۔" حمدہ خاموش ہوگئی تھی اور عمر کے کہنے پر گاڑی سے نکل آئی تھی۔

عمر اسے لیے اندرونی حصے کی طرف آ گیا تھا۔ ریسیپشن پر رک کر اس نے ایک کمرے کی چابی لی تھی۔

"آئیں میں آپ کو کمرے تک چھوڑ آتا ہوں' کچھ دیر رک کر فریش ہو لیں۔ میں ادھر باہر ہی رہوں گا۔ اگر کچھ کھانے پینے کی ضرورت ہو تو فون کر کے روم میں منگوا لیجیے گا۔" حمدہ عمر کے سلجھے ہوئے انداز پر شرمندہ ہوگئی تھی۔ عمر اسے روم تک چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ حمدہ نے فریش ہو کر منہ ہاتھ دھویا تھا' باہر ابھی کافی اندھیرا برقرار تھا۔ وضو کر کے اس نے بستر کی چادر بچھا کر پہلے نماز پڑھی تھی' ابھی وہ دعا مانگ رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی اس نے چونک کر دروازے کو دیکھا اور پھر اٹھ کر قریب چلی آئی۔

"جی......کون؟"

"عمر......" حمدہ نے دروازہ کھول دیا تو عمر کے ہمراہ ویٹر بھی تھا جس کے ساتھ چائے اور کھانے کے لوازمات والی ٹرالی بھی تھی۔

عمر کے اشارہ کرنے پر ویٹر ٹرالی اندر لے آیا تھا اور پھر خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ حمدہ جو چادر کا پلو ہاتھ میں پکڑے چہرے پر رکھے کھڑی تھی ویٹر کے نکلنے پر اس نے پلو گرا دیا تھا۔

"آپ نے خوامخواہ کی زحمت کی۔ میں کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی۔" اس کے انداز میں کچھ تلخی در آئی۔

"مجھے اندازہ تھا اس لیے خود ہی منگوا لیا۔ آئیں کچھ لے لیں پلیز۔" عمر کا انداز شائستہ تھا وہ چپ ہوگئی۔ جائے نماز والی چادر اٹھا کر واپس بستر پر بچھا کر خود بھی بستر کے کنارے تک گئی تو عمر نزدیکی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"ہم یہاں کب تک رکیں گے......؟"

"آپ یہ لے لیں پھر نکلتے ہیں۔" عمر کے اشارہ کرنے پر اس نے ٹرالی اپنی طرف کھسکا لی تھی۔

چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھی تھے' چائے بنا کر چینی ملاتے ہوئے وہ رکی نظر اٹھا کر عمر کو دیکھا وہ اسی کی طرف متوجہ تھا' مسکرا دیا۔ وہی نگاہ کا دل موہ لینے والا مخصوص تاثر تھا۔

"ہاف ٹی اسپون......" حمدہ کے اندر جھنجلاہٹ بڑی شدید تھی۔ مگر اپنے چہرے کو بمشکل نارمل کرتے چینی ملا کر کپ بغیر عمر کی طرف دیکھے اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"شکریہ۔" عمر نے کپ تھام لیا تھا۔ دونوں نے خاموشی سے چائے پی تھی حمدہ عمر کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی مگر گاہے بگاہے اپنے چہرے پر عمر کی پرتپش نظروں کی حدت شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ ایسے میں اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔

"آپ کے پاس موبائل ہوگا......؟" چائے پی کر عمر نے پوچھا تو حمدہ نے چونک کر اسے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

"جی ہے تو......؟" حمدہ سوال کے پس منظر سے بے خبر تھی۔ موبائل اس کے شولڈر بیگ میں تھا اور بیگ اس نے کمرے میں آ کر بستر پر رکھ دیا تھا۔

"ذرا دیں گی......؟" حمدہ نے سر ہلا کر بیگ سے ایک معمولی سا سیٹ نکال کر عمر کی طرف بڑھا دیا۔

عمر نے موبائل لے کر پہلے تو چند منٹ اس کے تمام سسٹم کا جائزہ لیا اور پھر سم نکال کر موبائل واپس حمدہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ حمدہ نے تھام تو لیا تھا مگر عمر کی اس حرکت سے الجھ گئی تھی۔ ساتھ ہی عمر نے اپنی پاکٹ سے ایک اور موبائل سیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"آپ کی احتیاط کے پیش نظر میں نے یہ سم نکالی ہے۔ ہوسکتا ہے گاؤں سے ماں جی یا چاچی مختار آپ کے نمبر پر کال کریں تو نمبر ٹریس کروانا آسان ہوجائے گا۔ اسی لیے یہ سیٹ رکھ لیں اس میں نئی سم ہے یہ نمبر ماریہ باجی اور ماں جی کے علاوہ صرف میرے علم میں ہے اگر آپ یہ نمبر یوز کریں گی تو آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔" حمدہ نے ایک گہری سانس لی۔ اگر بات نمبر کی تھی تو وہ اپنے موبائل میں بھی استعمال کرسکتی تھی مگر ایک نیا خاصا مہنگا اور قیمتی سیٹ دینا وہ سمجھ نہ سکی تھی۔

"یہ نیو اسٹائل کا ایک کمپیوٹرائزڈ موبائل ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہے کہ آپ کی لوکیشن ظاہر کیے بغیر تمام کالز کا ریکارڈ یہ اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے' اگر گاؤں سے اس سیٹ پر کال کی جائے گی تو بھی ٹریس نہیں کی جاسکے گی۔" عمر کی مزید وضاحت نے اسے قدرے پرسکون کیا تھا۔

"ویسے بھی میرا یہ نمبر عام نمبر نہیں ہے۔ کوئی ٹریس کرنے کی کوشش بھی کرے تو پتا نہیں چل پائے گا۔"

"مگر آپ کیا کریں گے......؟" وہ سمجھی تھی کہ عمر نے اپنا موبائل اسے دے دیا ہے وہ مسکرا دیا۔

"ڈونٹ وری میرے پاس اس جیسا ایک اور سیٹ بھی ہے۔" وہ قدرے ریلیکس ہوگئی تھی۔

حمدہ نے خاموشی سے موبائل اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا' حمدہ کے اس عمل سے عمر کے اندر ایک عجیب سرخوشی سی پیدا ہوئی تھی' عمر کو ایک دم یوں لگا کہ اس نے گویا موبائل نہیں بلکہ اس کے وجود کو قبول کرلیا ہے۔

"کافی دیر ہوگئی ہے...... اب چلیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"شیور۔" وہ بھی کندھے اچکاتا کھڑا ہوگیا تھا۔

......☆☆☆......

اماں نے حمدہ کو اپنی خالہ اور ان کی سسرال کے متعلق اچھا خاصا بتادیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے مل کر نارمل ہی رہی تھی جبکہ عمر خالہ بی کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ خالہ جن کا اصل نام رخشندہ تھا وہ مختار چاچی سے سات آٹھ سال بڑی ہوں گی۔ ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور سبھی بچے شادی شدہ تھے۔ سب سے بڑے افتخار صاحب تھے جو کہ اپنے علاقے کے ایم این اے تھے۔ یہ لوگ جدی پشتی جاگیردار تھے' ان کے والد وفات پاچکے تھے اور باپ کی وفات کے بعد اب افتخار صاحب اپنی علاقائی سیٹ پر تھے۔ ان کے بعد دو بہنیں تھیں جو شادی شدہ اور گھربار والی تھیں۔ اس کے بعد شہباز صاحب تھے۔ فیڈرل گورنمنٹ میں خاصے اونچے عہدے پر تھے اور بیوی بچوں کے ہمراہ اسلام آباد میں مقیم تھے۔ سب سے چھوٹے انس تھے جن کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی اور فی الحال کوئی بچہ نہ تھا' یہ بھی صوبائی گورنمنٹ میں تھے۔ خود لاہور ہوتے تھے' جبکہ بیوی آبائی حویلی میں ہوتی تھیں۔ افتخار صاحب کے بھی تین بچے تھے اور اسکول ایج میں تھے' دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ ان لوگوں نے حمدہ اور عمر کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ خاصا پروٹوکول دیا گیا تھا۔ عمر کی افتخار انکل سے اس سارے مسئلے پر ایک لمبی بات چیت ہوئی تھی جس سے عمر نے اندازہ لگایا کہ افتخار انکل کا اپنے علاقے میں اچھا خاصا ہولڈ ہے' ان کے اندر جاگیرداروں والا مخصوص رعب و دبدبہ پایا جاتا تھا' انہوں نے حمدہ والے معاملے میں عمر کو بالکل بے فکر ہوجانے کو کہا تھا بلکہ وہ باقر علی کے خلاف قانونی طور پر کوئی نہ کوئی کارروائی کرنے پر بھی بضد تھے' عمر نے ان کو فی الحال کوئی بھی قدم اٹھانے سے منع کیا تھا کہ باقر علی سے اگر گفت و شنید سے معاملہ حل ہوسکتا ہے تو وہ نہیں

چاہتا تھا کہ بات زیادہ بگڑے۔

اسے یہاں آئے تیسرا دن تھا حمدہ اندرونی حصے میں رہ رہی تھی جبکہ اس کا اور بشیر کی رہائش کا انتظام مردان خانے میں تھا۔ تاہم دن میں ایک بار وہ ملازمہ کو پیغام بھیج کر حمدہ کو بلوا کر ضرور مل لیتا تھا۔ یہاں آ کر حمدہ سے متعلق اس کے جذبات میں مزید شدت آ گئی تھی۔

اماں اور مختار چاچی سے وہ روزانہ بات کررہا تھا۔ فی الحال وہاں کی صورت حال نارمل ہی تھی۔ باقر علی روزانہ مختار چاچی کے ہاں چکر لگا رہا تھا۔ شادی کے سلسلے میں ہر روز آ کر کوئی نہ کوئی شوشا چھوڑ رہا تھا۔ تاہم وہ ابھی تک حمدہ کی غیر موجودگی سے بے خبر ہی تھا۔ ماں جی یہاں کے حالات اچھے جان کر مطمئن ہوگئی تھیں۔ ان کا مشورہ تھا کہ عمر آج کل میں اب واپس آجائے۔ وہ مردان خانے کے کمرے میں لیٹا نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا جب دستک ہوئی تھی اور اس کی اجازت سے حویلی کا ایک ملازم اندر آ گیا تھا۔

"افتخار صاحب نے یاد کیا ہے آپ کو؟" ملازم نے اطلاع دی تو اس نے آنے کا کہہ کر اسے چلتا کیا۔ افتخار صاحب باہر گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے' شاید کہیں جانے کا ارادہ تھا۔

"آؤ یار تمہیں کہیں گھما پھرا لائیں۔ تیسرا دن ہے تمہیں یہاں آئے ابھی تک اپنا علاقہ ہی نہیں دکھایا۔" عمر سے افتخار صاحب خاصا گھل مل گئے تھے۔ اس کے کندھے پر بازو رکھ کر بے تکلفی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"کیوں نہیں......" وہ ان کے ساتھ ہی ان کی جیپ میں آ بیٹھا تھا۔ ان لوگوں کا علاقہ خاصا خوبصورت تھا' جابجا مالٹوں کے باغات تھے' اس علاقے کی خوبصورتی شاید یہ باغات ہی تھے۔ افتخار صاحب کی اپنی زمینیں تھیں۔

"اس طرف نہر (ایک چھوٹا نالہ) کی طرف کے باغات دیکھنے والے ہیں۔ تم گھومو پھرو...... مجھے ڈیرے پر کچھ کام ہے۔ ادھر چلتا ہوں' واپسی پر ملتے ہیں۔" افتخار صاحب کو ایک فون آ گیا تو وہ عمر کو کہہ کر خود چلے گئے تھے۔ باغ کے ملازم اپنے کام میں مصروف تھے ایک ملازم اس کے ساتھ تھا یہ حویلی کا کوئی ملازم تھا۔

"میں دیکھ لوں گا ڈونٹ وری یار......" ملازم ساٹھ ستر سال کی عمر کا ضعیف انسان تھا۔ کب سے ساتھ تھا۔ اب وہ تھکن محسوس کررہا تھا۔ عمر کو اس کی تھکن کا احساس ہوا تو اسے منع کرتے خود ہی آگے بڑھ آیا۔ اس طرف چھوٹی سی نہر تھی (حرف عام میں ایسی نہروں کو نالے بھی کہا جاتا ہے) وہاں نہر کے پل کے پاس دو تین خواتین دکھائی دیں تو عمر چونکا۔ ان خواتین میں ایک حمدہ بھی تھی' ایک لڑکی ملازمہ تھی اور ایک شاید حویلی کی خواتین میں سے کوئی تھیں۔ (کیونکہ حویلی کی خواتین کو اس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا) یہ لوگ شاید سیر کو نکلی تھیں عمر وہیں کچھ فاصلے پر رک گیا تھا۔

"حمدہ یار! اس طرف کا پانی بہت ٹھنڈا ہے' آؤ تم بھی پاؤں لٹکا کر بیٹھو بڑا مزہ آئے گا۔" کھنکتی آواز پر حمدہ نے مسکرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔

"نہیں بابا مجھے معاف ہی کریں۔ اتنی سردی ہے آپ کے علاقے میں...... میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" اس نے فوراً انکار کردیا تھا بلکہ کچھ فاصلے پر ہوکر کھڑی ہوگئی تھی۔

"اچھا...... ابھی تم نے سردی دیکھی کہاں ہے؟ کیوں زینیے حمدہ کو سردی کا نظارہ نہ کروادیں؟" اس خاتون کی عمر کی طرف پشت تھی' عمر خاموشی سے تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں لڑکیوں نے ایک دوسرے کو نجانے کیا اشارے کیے تھے کہ انہوں نے فوراً دونوں ہاتھوں میں پانی بھر بھر کر حمدہ کی طرف اچھالنا شروع کردیا تھا۔ وہ اس افتاد پر ایکدم گھبرائی تھی۔ پانی کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔ عمر دیکھ رہا تھا جس طرح وہ پیچھے ہٹ رہی تھی بالکل نہر کے کنارے پر پہنچ گئی تھی۔

"حمدہ......" عمر نے فوراً ڈر کر خاصا فاصلہ ہونے کے باوجود اسے آواز دی تھی مگر تب تک دیر ہوچکی تھی۔ حمدہ بے توازن سی ہوکر پیچھے کو گری تھی اور اگلے ہی پل وہ اس چھوٹی سی نہر کے پانی میں تھی۔

"حمدہ......" عمر فوراً نہر کی طرف بھاگا تھا' بغیر کچھ سوچے سمجھے اس نے نہر میں چھلانگ لگادی تھی۔ دونوں

لڑکیاں چیخ چیخ کر کسی کو مدد کے لیے پکار رہی تھیں۔ عمر اچھا تیراک تھا اس نے لمحوں میں حمرہ کو جالیا تھا۔ حمرہ پیچھے کی طرف گرتے ہوئے کسی سخت چیز سے ٹکرائی تھی' شاید کنارے پر لگے کسی پتھر سے اس نے ایک دو پل اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی تھی مگر سب بے سود تھا بس اسے ایک دم ایسا لگا جیسے کسی نے اسے دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا ہے اس کے بعد اس کا ذہن بالکل تاریک ہو چکا تھا عمر ایک اچھا تیراک ضرور تھا مگر حمرہ کے بے حواس وجود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ نہر اس جگہ سے خاصی دور تھی جہاں باغ میں ملازم کام کر رہے تھے ورنہ دونوں لڑکیوں کی چیخ و پکار سن کر کوئی نہ کوئی پہنچ ہی جاتا۔

عمر حمرہ کو ایک بازو کے حصار میں لیے دوسرے بازو اور پاؤں کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارتے قدرے کم گہرے حصے کی طرف آ گیا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی بھاگ کر اسی طرف آ گئی تھیں۔

"ہائے اللہ..... چھوٹی بی بی ان کے سر سے تو خون بھی بہہ رہا ہے۔" زینب خاصی خوفزدہ ہوئی تھی۔ عمر دونوں لڑکیوں کا خوف دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔

اس نے خود ہی حمرہ کی نبض دیکھی' خاصی سلو چل رہی تھی۔ اس کے سر سے بالکل اسی جگہ سے خون بہہ رہا تھا جہاں چند دن پہلے چوٹ لگی تھی' زخم تازہ تھا اس کے ٹانکے پھر کھل گئے تھے۔

"اسے کچھ ہوا تو نہیں.....؟" ازکی مسلسل رو رہی تھی۔

"فی الحال تو کچھ نہیں کہہ سکتے..... ؟ مگر تشویش تو بہرحال ہے۔ آپ لوگ اگر رونے دھونے کی بجائے میری مدد کریں' حمرہ کا پیٹ دبا کر پانی نکالیں تو شاید ہوش آ سکتا ہے۔" عمر نے جھنجلا کر کہا تو ازکی نے فوراً آنسو صاف کرتے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ زینب اس کے پاؤں ملنے لگ گئی تھی۔ عمر اس کے چہرے کو دیکھتے مسلسل اس کی نبض تھامے بیٹھا تھا۔

"حمرہ....." وہ ساتھ ساتھ اس کو آوازیں دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔

"آپ وہی ہیں نا جو حمرہ کے ساتھ آئے تھے.....؟" ازکی اپنے حواس پر کچھ حد تک قابو پا چکی تھی۔ اس کے سوال پر عمر نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ موسم خاصا سرد تھا۔ حمرہ اور عمر دونوں بھیگے ہوئے تھے۔ حمرہ کے ہونٹ گہرے نیلے ہو چکے تھے۔ اس کا سارا جسم سرد پانی کی وجہ سے برف ہو رہا تھا۔ ان تینوں کی کوششوں سے کچھ منٹ بعد حمرہ نے کراہ کر آنکھ کھول لی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں نا..... کیسا فیل کر رہی ہیں آپ؟" عمر پوچھ رہا تھا وہ چند پل تو اسے دیکھے گئی اور پھر جب اسے صورتحال کا احساس ہوا تو کچھ پل قبل پیش آنے والا حادثہ پوری جزئیات کے ساتھ ذہن کی اسکرین میں تازہ ہوا تو خوفزدہ ہو کر عمر کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور پھر بری طرح رو دی۔

"ٹیک اٹ ایزی..... خطرے کی کوئی بات نہیں۔" عمر نے اسے دلاسا دینا چاہا وہ مکمل طور پر کانپ رہی تھی۔ حمرہ نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو ازکی اور عمر نے فوراً دائیں بائیں سے سہارا دے کر بٹھایا۔ بلکہ عمر نے اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا کر بیٹھنے کو ٹیک فراہم کی تھی۔

"میں ڈرائیور کو فون کرتی ہوں وہ زمینوں کی طرف ہے۔ ہم اسی کے ساتھ آئی تھیں اور پھر پیدل یہاں تک آئی تھیں۔" ازکی نے ڈرائیور کو کال کی تھی اور اسے فوراً نہر کے پاس پہنچنے کو کہا تھا۔

حمرہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ مسلسل عمر کا ہاتھ تھامے اس کے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور فوراً پہنچا تھا۔ ازکی اور عمر کے سہارے سردی سے کانپتی بدحواسی کی کیفیت میں وہ گاڑی میں سوار ہوئی تو گاڑی حویلی کی طرف تیزی سے روانہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

حمرہ نے اس حادثے کا اچھا خاصا اثر لیا تھا۔ وہ مسلسل بے ہوش تھی۔ حویلی پہنچنے تک وہ پتا نہیں کیسے حواس میں رہی تھی' رخشندہ خالہ تو اس کی کنڈیشن دیکھ کر اور حادثے کی خبر پا کر اپنی بہو اور ملازمہ پر جو برہم ہوئیں وہ ایک طرف

فوراً افتخار صاحب کو فون کیا تھا اور ساتھ ہی ڈاکٹر کو بھی کال کی تھی۔ ڈاکٹر نے آ کر چیک کرنے کے بعد دوائی لکھ دی تھی۔ حمرہ حادثے کے زیراثر خوف کا شکار تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی اسٹیچنگ کر کے سر کی مرہم پٹی کر دی تھی۔

عمر مسلسل اس کے کمرے میں تھا۔ کئی بار افتخار صاحب نے اسے دلاسہ دیا تھا اور جا کر آرام کرنے کو کہا تھا کہ بہرحال اس قدر شدید سردی میں وہ بھی گیلا ہوا تھا مگر عمر لباس بدل کر واپس حمرہ والے کمرے میں آ گیا تھا اور جب تک اسے مکمل طور پر ہوش نہیں آ جاتا وہ اب اس کے پاس سے ملنے والا نہ تھا۔

افتخار صاحب ان کی بیگم اور بچے تک حمرہ کی وجہ سے پریشان تھے۔ ازکی اور زینب اپنی جگہ شرمندہ تھیں۔ ان لوگوں نے گھر والوں کو یہ قطعی نہیں بتایا تھا کہ ان کی شرارت کی وجہ سے حمرہ نہر میں گری تھی۔ عمر نے بھی اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی تھی بس یہی کہا تھا کہ وہ پاؤں پھسلنے سے نہر میں گر گئی تھی اور ان کے شور پر عمر نے فوراً موقع پر پہنچ کر اسے نکالنے کی کوشش کی تھی۔

ڈاکٹر کی کوششوں سے اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو سبھی نے شکر کا کلمہ پڑھا۔ عمر ابھی تک گم صم تھا۔ ڈاکٹر کے انجکشنز کی وجہ سے وہ سو گئی تھی تو سبھی اس کے پاس سے ہٹ گئے تھے تاہم ازکی اور رخشندہ خالہ وہیں تھیں۔

"بیٹا جاؤ تم بھی کھانا کھا لو اور آرام کر لو۔ یہ اب بہتر ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔" رخشندہ خالہ عمر کی فکرمندی پر خاصی متاثر ہوئی تھیں۔ انہوں نے محبت سے کہا تو ناچار عمر کو اٹھنا پڑا۔

کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پلٹ کر حمرہ کے چہرے کو ضرور دیکھا تھا۔ اس کے سر پر بندھی پٹی نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے واپس اپنے رہائشی کمرے میں آ گیا تھا۔

"اسے رہ رہ کر حادثے کی تمام جزئیات یاد آ رہی تھیں۔ اگر وہ وہاں نہ ہوتا اور خدانخواستہ حمرہ کو کچھ ہو جاتا تو......" اس تصور سے ہی عمر کو اپنے دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

وہ اس قدر شدید محبت کرنے لگ گیا تھا کہ اب لگتا تھا کہ اگر کسی دن اس کا چہرہ دیکھنے کو نہ ملا تو وہ سانس بھی نہ لے پائے گا۔ عمر اپنے جذبات و احساسات پر خود بھی حیران و ششدر تھا۔ اس نے تمام تر زندگی اس قدر محتاط انداز میں گزاری تھی کہ زندگی میں 'محبت' جیسی حماقت کا قصور بھی کہیں نہ تھا۔

اس کی ماں جی اپنے چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں۔ ماں باپ نے بے انتہا ناز و نعم میں پالا تھا۔ اس کے نانا ایک درمیانے درجے کے کاشت کار تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے سے کئی گنا امیر دولتمند دوست کے بیٹے سے بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ مگر بیٹی کی قسمت کہ شوہر عیاش نکلا تھا۔ وہ کسی ایک عورت تک صبر کر کے بیٹھے رہنے والا انسان نہ تھا۔ کچھ عرصے بعد ہی ماریہ پیدا ہوئی تو بھی شوہر کی فطرت نہ بدلی اور پھر ایک دن حد ہو گئی ان کے شوہر ایک اور بیوی بیاہ لائے نجانے وہ عورت کون تھی' کہاں کی تھی' ماں جی کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔ شوہر کی عیاش فطرت اب تک میکے والوں سے چھپا رکھی تھی' مگر اب بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹا تھا۔ ان کے بھائی اور باپ کے لیے بیٹی کی سوتن برداشت کرنا ناممکن تھا اور نتیجتاً چند سال بعد ہی میکے آ بیٹھی تھیں۔ عمر کی ولادت میکے میں ہی ہوئی تھی اور پھر ایک دن شوہر نے طلاق بھجوا دی تو ماں جی کی گویا دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔ ایسے عالم میں بابا جان نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ ماں جی کے حق مہر میں ہی ان کے نام اچھی خاصی زمین لکھوائی گئی تھی اور طلاق کی صورت میں ان کی ملکیت میں آ گئی تھی۔ بڑے دونوں بھائیوں نے عدالت میں دعویٰ کر کے اس زمین پر قبضہ لے لیا تو دونوں خاندانوں میں ایک دشمنی سی چل نکلی۔ عمر کے والد ہاشم صاحب کے لیے زمین پر قبضہ لے لینا ایک چیلنج تھا انہوں نے بھی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ ان کے بچے ان کے حوالے کر دیئے جائیں...... تاہم عدالت کی طرف سے اتنے چھوٹے بچوں کو باپ کے حوالے نہ کرنے کا

جب فیصلہ ہوا تو بڑے سرفراز ماموں نے ایک اور فیصلہ بھی کیا' انہوں نے اپنے سب سے بڑے بیٹے ذوالفقار بھائی کا نکاح ماریہ باجی سے کردیا اور عمر کو عدالت کی طرف سے ملنے والی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی لے کروہ پوری فیملی سمیت امریکہ میں سیٹل ہوگئے۔ ماں جی نے اپنی ساری زندگی بڑی اذیت اور مشقت میں گزاری تھی۔ بڑے سرفراز بھائی کے علاوہ باقی تینوں بھائیوں کی طرف سے ان کی ذات کو کبھی کوئی سکھ حاصل نہ ہوا تھا۔ جب تک نانا جان زندہ رہے ماں جی اور وہ چھوٹی حویلی میں مقیم رہے جبکہ باقی تینوں بھائی اپنی بیویوں کے ساتھ بڑی حویلی میں شفٹ ہوگئے جو گاؤں سے قدرے ہٹ کر تھی۔ دوسرے نمبر والی ممانی اور سب سے چھوٹی ممانی دونوں بہنیں تھیں اور یہ دونوں بہنیں باقر علی کی بہنیں تھیں۔ باقر علی اکلوتا بھائی تھا۔ شروع سے ہی روپے پیسے کی ریل پیل نے اچھا خاصا بگاڑ ڈالا تھا۔ جس کی انتہائی حداب حمدہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی صورت تھی۔

ذوالفقار بھائی نے جیسے ہی ایم بی بی ایس مکمل کیا تھا ان کی ماریہ باجی کے ساتھ فوراً شادی کردی گئی تھی۔ ماریہ باجی آج کل لاہور میں مقیم تھیں کہ وہاں ذوالفقار بھائی کا ذاتی کلینک تھا۔ امریکہ میں عمر نے سرفراز ماموں کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ سرفراز ماموں ایک بہت اصول پرست خاندانی وقار کو اہمیت دینے والے مذہبی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کے ساتھ ساتھ عمر کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی تھی۔ امریکہ جیسے آزاد معاشرے میں زندگی کے مدارج طے کرتے ہوئے کئی مواقع ملے بھٹکنے کے لیے مگر ماموں کی تربیت اتنی مضبوط تھی کہ قدم کبھی لڑکھڑائے ہی نہ تھے۔ اس نے عورت کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ امریکہ میں عورت کو جس طرح استعمال کیا جاتا تھا اس کے باوجود اس نے ہمیشہ عورت ذات کو عزت دی تھی' اس کے نزدیک عورت ایک بہت سنبھال سنبھال کر رکھنے والی شے ہے۔ بہت قابل عزت اور قابل احترام ہستی۔

عمر کے نزدیک اپنی ماں ایک ماڈل ہستی تھیں اور ماریہ باجی اس کے لیے بہت خاص ہستی تھیں' ان دونوں کے علاوہ اس نے جس عورت کی سب سے زیادہ عزت کی تھی وہ اس کی ممانی تھیں' جنہوں نے اس کو اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ پھر ان کی بیٹیاں تھیں' جنہیں اس نے ہمیشہ ماریہ باجی جیسا مقام دیا تھا' مگر پاکستان آتے ہی جس طرح حمدہ نے پہلی نگاہ میں اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا اس کے دل میں جو مقام حاصل کرلیا تھا وہ آج تک کوئی اور عورت حاصل نہ کر پائی تھی۔ وہ صرف اس کے لیے بے قرار بے چین ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کے تمام مسائل کو بھی حل کرنا چاہتا تھا اور اس طرح حل کرنا چاہتا تھا کہ عمر کی محبت کی وجہ سے اس شفاف بے داغ وجود پر کوئی الزام نہ آئے' اس کی شخصیت اسی طرح روشن رہے۔ کہنے کو وہ ماں جی کے سامنے اپنے دل کی خواہش بیان کرسکتا تھا مگر خاموش تھا تو صرف اس لیے کہ وہ حمدہ کی طرف سے اطمینان کرلینا چاہتا تھا کہ اگر وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ رد تو نہیں کرے گی۔ اگر وہ مان گئی تو اس کے لیے باقر علی سے لڑنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

صرف حمدہ کے وجود کی کشش نے ہی اسے اسیر نہیں کیا تھا بلکہ اس کے کردار باوقار انداز اور رکھ رکھاؤ نے بھی اسے متاثر کیا تھا۔ وہ پہلی نگاہ کی محبت کا شکار ہوا تھا۔ آج حمدہ کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل بے انتہا بے قرار تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حمدہ کے وجود کی ساری تکلیف اپنے جسم پر لے لے۔ اس کے سارے مسائل بانٹ لے۔ مگر وہ بے بس تھا۔ نجانے وہ کیا سوچتی ہوگی؟ اس کے متعلق اس کی کیا رائے ہوگی؟ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ باقر علی کی حرکتوں کی وجہ سے وہ شادی جیسے بندھن سے ہی خوفزدہ ہوچکی ہے۔ جس طرح ماریہ باجی کے بتانے پر کہ اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی ایسے عالم میں ایسی لڑکی پر کیا بیتی ہوگی جس کے نکاح سے کچھ پل پہلے اس کے ہونے والے شوہر کو اغوا کرلیا جائے اور پھر قید میں ڈال کر دھمکیاں دی جائیں۔ اس کی نہ صرف شادی رکوادی جائے بلکہ آئندہ کے لیے اس کی ازدواجی زندگی کے تمام خوشگوار خواب بھی نوچ دیے جائیں۔

وہ سمجھ سکتا تھا کہ حمدہ کی خاموشی کے پیچھے کیا اسباب کار فرما ہیں؟ وہ اتنی سنجیدہ اور زیر رو کیوں رہتی ہے؟ وہ کونسے عوامل ہیں جنہوں نے اسے چپ سادھنے پر مجبور کردیا ہے؟ وہ اتنی خاموش کیوں رہتی ہے؟ ورنہ اس نے کئی بار اپنی نگاہ کے تاثر پر اسے چونکتے اور الجھتے دیکھا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی جارہی تھی۔ مگر عمر ہاشم کے اندر سوچوں کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے تھے۔

......☆☆☆......

وہ صبح سویرے مہمان خانے سے نکل کر اندرونی حصے کی طرف چلا آیا تھا' صبح صبح کا وقت تھا' حمدہ کی فکر میں وہ ساری رات نہیں سو پایا تھا۔ اب بھی اندر اطلاع بھجوائے بغیر اس طرف چلا آیا تھا۔ لان میں اسے ازکی مل گئی تھیں اسے دیکھ کر مسکرادیں۔

''السلام علیکم!'' عمر نے پہل کی۔

''وعلیکم السلام۔''

''حمدہ کیسی ہے؟'' عمر نے فوراً اصل بات پوچھی۔

''کل سے خاصی بہتر ہے۔'' ازکی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟'' وہ جس طرح کل سارا وقت پریشان رہا تھا ازکی تب ہی الجھ گئی تھی مگر اب صبح سویرے اسے دوبارہ دیکھ کر اور اب اس کی پریشانی ملاحظہ کرکے ضرور چونکی تھی۔

''وائے ناٹ...... شیور...... آئیں......'' اپنی چادر سنبھالتی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ اسے لے کر حمدہ والے کمرے میں آ گئی تھی۔

حمدہ اکیلی تھی۔ بستر پر کندھوں تک لحاف ڈالے سو رہی تھی۔

''آپ پلیز بیٹھیں۔'' عمر نے بستر کے نزدیک رکھی کرسی سنبھال لی تھی۔

''یہ اب بہتر ہے۔ سرد پانی اور پھر گرنے کے خوف کی وجہ سے نیم غنودگی میں رہی تھی۔ اب تو خاصی بہتر حالت میں ہے۔ اگر آپ بات کرنا چاہیں تو میں جگا دیتی ہوں۔'' ازکی نے بستر کے کنارے بیٹھتے ہوئے کہا تو عمر نے منع کردیا۔

''نہیں رہنے دیں میں بس دیکھنے آیا تھا۔''

''آپ ریلیٹوز ہیں آپس میں؟'' ازکی نے پوچھا۔

''جی...... ماں جی کے کزن کی بیٹی ہیں یہ...... حمدہ کی والدہ بھی ماں جی کے ننھیالی رشتہ داروں میں سے ہیں۔''

''اوہ......'' ازکی نے ہونٹ سکیڑے جبکہ عمر ازکی کی موجودگی کی وجہ سے محتاط تھا' اس نے حمدہ کی طرف دیکھنے سے خصوصی طور پر احتراز برتا کہ کہیں ازکی اس کی نگاہ کا تاثر نہ پڑھ لیں۔

اس دوران حمدہ نے کروٹ بدلی اور پھر آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ شاید دونوں کی آوازوں سے ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ اس نے پہلے ازکی اور پھر عمر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گزرے کئی پل ایک رنگین فلم کی طرح گزرنے لگے۔

وہ گری تھی' گہرے یخ پانی میں' اس کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے حواس بے قابو ہوگئے تھے' لمحوں میں اس کے ہاتھ پاؤں بے جان ہونے لگے تھے' وہ تیرنا نہیں جانتی تھی مگر اس کے باوجود وہ ڈوبنے سے خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور پھر اس نے کسی کو پانی میں چھلانگ لگاتے دیکھا تھا' وہ پانی کے بہاؤ میں ڈوب رہی تھی۔ جب عمر ہاشم نے اس کے قریب آکر اسے ڈوبنے سے بچانے کے لیے اس کو تھاما تھا۔ عمر ہاشم کے حصار میں آتے ہی اسے لگا تھا کہ وہ اب ڈوبے گی نہیں مگر سرد پانی اور سر کی چوٹ نے اس کے حواس چھین لیے تھے۔

اس کے بعد اسے جب ہوش آیا تھا عمر اور ازکی نے اسے سہارا دیا ہوا تھا۔ وہ لوگ اسے لے کر گاڑی میں سوار ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ ساری رات نیم غنودگی اور کچھ نیند کی کیفیت میں بس ہر بار گرنے اور اس کے بعد کے واقعات کو ہی خواب وخیال میں دیکھتی رہی تھی اور ہر بار جو احساس اسے شدت سے اپنے حصار میں لے لیتا تھا وہ یہی تھا کہ عمر کے حصار میں آکر وہ بالکل پرسکون ہوجاتی تھی وہ اب ڈوبے گی نہیں۔ یہ شخص اسے ڈوبنے نہیں دے گا۔ یہ ایسا قوی احساس تھا کہ ہر بار وہ صرف اسی چہرے کو

اپنے اطراف میں دیکھتی رہی تھی مختلف روپ میں مختلف انداز میں غنودگی اور نیم غنودگی دونوں حالتوں میں بس اسے صرف یہی چہرہ نظر آتا رہا تھا اور اب آنکھ کھلتے ہی اسے یہی چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے لگا وہ جیسے خواب دیکھ رہی ہے۔

"عمر......" اس کے لب ہلے اور اس نے لاشعوری طور پر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جیسے وہ اس کے موجود ہونے کا یقین چاہتی ہو۔

ازکی کی موجودگی میں عمر ہاشم حمدہ کی اس حرکت پر خجل سا ہوگیا تھا تاہم ازکی سے نظر چراتے اس نے حمدہ کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام ضرور لیا تھا۔

"میں جب بھی ڈوبنے لگوں گی آپ مجھے ہر بار بچالیں گے نا؟" عمر کو لگا وہ ابھی تک نیم غنودگی کی کیفیت میں ہے۔ اوپر سے اس کے الفاظ...... عمر کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے وہ حواس میں قطعی نہیں لگ رہی تھی۔

"خدانخواستہ...... یہ حادثہ تھا اور ایسے ناخوشگوار حادثے بار بار ہونا کوئی پسند نہیں کرتا...... آپ بتائیں ٹھیک ہیں۔ اب طبیعت کیسی ہے؟ کیا فیل کررہی ہیں......؟" عمر نے بھی ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے حقیقت کا احساس دلاتے کہا تو وہ چونکی۔

یوں لگا وہ ایکدم خواب سے بیدار ہوئی ہے۔ عمر کے ہاتھ کے لمس نے گویا اس کے وجود میں ہی نہ صرف برقی رو دوڑا دی تھی بلکہ اس کے سوئے حواسوں کو بھی جگا دیا تھا۔ اس نے ایکدم اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

ازکی اس سارے وقت محض خاموش تماشائی تھی مگر ایک پل میں بہت کچھ محسوس کرگئی تھی۔ خصوصاً عمر ہاشم کی آنکھوں کا تاثر۔

"عمر صاحب تشریف رکھیے۔ میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔" وہ اب مزید رکے بغیر تیزی سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ حمدہ کا خفت و شرمندگی سے برا حال تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں کیسا فیل کررہی ہیں اب آپ؟" عمر بڑے ریلیکس موڈ میں کرسی کی پشت سے کمر ٹکائے پوچھ رہا تھا۔

"جی بہتر ہوں۔"

"ہوسکتا ہے میں آج گاؤں چلا جاؤں...... صبح صبح ماریہ باجی کی کال آ گئی تھی دو دن سے ماں جی کی طبیعت خراب ہے انہیں سخت بخار ہے۔ ماریہ باجی رات سے گاؤں آئی ہوئی ہیں۔ ماں جی کی طرف سے مجھے خاصی تشویش ہورہی ہے۔ اگر آپ چاچی کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں تو......؟" حمدہ نے عمر کو دیکھا وہ متوجہ تھا وہ نگاہیں جھکا گئی۔

"میں آپ کے ساتھ واپس جانا چاہتی ہوں۔ کل والے واقعے کے بعد مجھے اماں بہت یاد آرہی ہیں۔ میں اب مزید یہاں نہیں رک سکتی۔ یہ اجنبی لوگ آپ بھی چلے گئے تو میں کیسے رہوں گی ادھر......" وہ اس کے چلے جانے کا سن کر ایکدم خوفزدہ ہوگئی تھی۔

"میرا جانا تو مجبوری ہے۔" عمر نے ہلکا سا مسکرا کر کہا۔ "یہ لوگ اچھے اور ملنسار ہیں۔ میں ان کو اچھی طرح پرکھ چکا ہوں۔ یہاں چند دن رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ میں واپس جا کر چاچی کو یہاں کے حالات کا تفصیل سے بتاؤں گا تو وہ مطمئن ہوکر خود بھی آجائیں گی۔" عمر کے تسلی دینے پر وہ خاموش ہوگئی تھی یوں جیسے وہ عمر سے بحث کرنے سے احتراز برت رہی ہو۔

"حمدہ......! ایک سوال کا جواب دیں گی......؟" دونوں کے درمیان چند پل بالکل خاموشی رہی تھی۔ عمر کے الفاظ پر اس نے چونک کر عمر کو دیکھا۔

"جی......؟"

"باقر علی کے علاوہ کسی اور کا نام آپ کے سامنے رکھا جائے تو کیا قبول کرلیں گی؟" بہت نپے تلے اور سنجیدہ الفاظ میں پوچھ رہا تھا۔ حمدہ نے الجھ کر اسے دیکھا پھر جب سمجھی تو لہجے میں تلخی اتر آئی۔

"جس لڑکی کی بارات آ کر بغیر شادی کے واپس لوٹ جائے اس لڑکی کی پھر اپنی کوئی مرضی نہیں رہتی۔ میں یہاں کیوں ہوں آپ بے خبر تو نہیں......؟" وہ بولی تو لہجہ خاصا تلخ تھا۔

"ہر بار تو ایسا نہیں ہوتا بلکہ......" عمر نے مزید کچھ کہنا چاہا تو حمدہ نے تیزی سے بات کاٹ دی۔

"جب تک باقر علی زندہ ہے تب تک تو ایسا ہی ہوا ہے اور ہوتا رہے گا عثمان جیسا شخص تو صرف مجھ سے شادی کرنے کے جرم میں یرغمال بنایا گیا تھا مگر ایسے بہت سے لوگ خاندان میں اور باہر کے لوگ ہیں جنہیں ہمارے گھر پہنچنے سے پہلے ہی حراساں کردیا جاتا رہا ہے آپ باقر علی کو نہیں جانتے وہ کس قماش کا شخص ہے آپ نہیں جانتے...... اور مجھ جیسی لڑکی سے شادی شاید کوئی پاگل شخص ہی کرنے کی ہامی بھرے تو بھرے......" وہ تلخی سے کہتی اپنا ہی مذاق اڑا رہی تھی۔ اس کی آواز میں خود اذیتی اور نمی کا احساس بس گیا تو عمر کو دکھ ہوا۔

"اگر وہ پاگل شخص عمر ہاشم ہو تو......؟" بہت سنجیدگی سے کہتے عمر نے حمدہ کا چہرہ بھی دیکھا پہلے تو وہ بات سمجھی ہی نہیں اور پھر جب بات سمجھی تو ایک دم بستر پر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ ایکدم بدلا تھا۔

"جی...... ای؟" وہ عمر کی نگاہوں کے تاثر سے ضرور الجھی تھی مگر عمر اس حد تک سنجیدہ ہوسکتا ہے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عمر ہاشم اسے پرپوز کرے گا۔

"یہ کیسا مذاق ہے......؟" وہ خاصی ناگواری سے بولی تھی۔

"یہ مذاق نہیں میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔ پتا نہیں آپ اس بات پر یقین کریں گی یا نہیں مگر یہ سچ ہے آپ سے میں love in first sight والے معاملے کا شکار ہوا ہوں۔ میں نے ایک خاصی پریکٹیکل زندگی گزاری ہے مگر آپ کے معاملات میں اپنے جذبات کو میں نے اپنے اختیارات سے باہر محسوس کیا ہے۔ میں محض لفاظی نہیں کررہا حمدہ رئیلی میں آپ کو اپنانا چاہتا ہوں۔ آئی وانٹ ٹو میری یو......" وہ سنجیدہ تھا۔

حمدہ بے یقین نگاہوں سے عمر ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو کل والی حالت میں دیکھ کر میں نے رات میں ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ مجھے آج واپس جانا ہے۔ میں چاچی ماں جی اور ماریہ باجی وغیرہ کو لے کر آؤں گا۔ مجھے آپ سے شادی کرنی ہے۔" اب کے بڑا اٹل اور فیصلہ کن انداز تھا۔

حمدہ حیرت سے منہ کھولے عمر ہاشم کے اٹل فیصلہ کن انداز کو دیکھ رہی تھی۔

"میں محض لفاظی نہیں کررہا یہ وعدہ سمجھ لیں یا کچھ بھی...... باقر علی جیسے لوگوں سے نبٹنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں...... میں محض اس لیے خاموش ہوں کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے کردار پر کوئی انگلی اٹھائے...... میں آپ کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔" حمدہ نے لب بھینچ لیے۔

"یہ ناممکن ہے...... میرے اور آپ کے درمیان......؟" اس نے کچھ اور بھی کہنا چاہا تھا کہ عمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"فیصلہ کرنے کی قطعی جلدی مت کریں۔ جب تک چاچی نہیں آجاتیں اس بارے میں سوچنے میں کوئی حرج نہیں...... اور ایک بات طے ہے اگر چاچی مختار نے ہاں کہہ دی تو آپ کے انکار کو میں نہیں مانوں گا۔ آپ یہاں اسی لیے بھیجی گئی ہیں کہ یہ لوگ کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر بات طے کردیں اور چاچی آ کر اس کو اوکے کرکے شادی کردیں گی اور آپ کو کیا فرق پڑتا ہے وہ کوئی بھی شخص ہو۔"

"آپ میں اور کسی بھی ایکس وائے زیڈ میں بہت فرق ہے۔" حمدہ نے خاصا غصے سے کہا تو عمر مسکرا دیا۔ اسے حمدہ کے اس طرح کے ری ایکشن کی توقع تھی۔

"مثلاً......"

"آپ اور میرے درمیان......" ابھی اس نے کہنا ہی شروع کیا تھا کہ ازکی دروازے پر دستک دیتی اندر چلی آئی تھی۔

"امید ہے میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا......" وہ پوچھ رہی تھی حمدہ بس لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔

"میں چلتا ہوں حمدہ...... میں ناشتہ کرتے ہی گاؤں

کے لیے روانہ ہورہا ہوں۔ اپنا موبائل آن ہی رکھیے گا' رابطہ کرتا رہوں گا۔" ازکی کے آنے کی وجہ سے جو بات ادھوری رہ گئی تھی اس کو اسی طرح چھوڑ کے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ اپنے گاؤں واپس جارہے ہیں......؟" ازکی نے فوراً اندازہ لگایا تو عمر نے سرہلا دیا۔

"جی......"

"چند دن اور رکتے۔" اس نے مہمان نوازی نبھائی۔

"نہیں' ادھر حویلی میں ماں جی بیمار ہیں...... ماریہ باجی کی کالز آرہی ہیں۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی ایک بہت ضروری کام ہے۔" جواب دیتے اس نے حمدہ کو بھی دیکھا وہ سر جھکا گئی۔

"اوکے جی...... چلتا ہوں اب...... حمدہ! اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ میں جلد ہی آنے کی کوشش کروں گا۔ اوکے اللہ حافظ۔"

وہ خصوصاً حمدہ سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا اور حمدہ ایکدم بڑے نڈھال سے انداز میں دوبارہ بستر پر گر گئی تھی۔

...... ☆☆☆ ......

عمر کو رستے میں ہی ماریہ باجی نے کال کرکے اطلاع کردی تھی کہ ماں جی کی طبیعت خراب ہونے پر وہ اور ذوالفقار بھائی ان کو شہر کلینک میں لے آئے تھے۔ ماں جی ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اکثر ان کا بلڈ پریشر شوٹ کرجاتا تھا' عموماً اکثر ایسا پریشانی کی حالت میں ہوتا تھا' عمر سیدھا کلینک ہی پہنچا تھا۔ شام تک اماں کی طبیعت سنبھلی تو ماریہ باجی ان کو اپنی طرف لے آئی تھیں۔ رات انہوں نے ادھر ہی گزاری تھی۔ صبح ناشتے کی میز پر ماریہ باجی ذوالفقار اور عمر تینوں ہی تھے۔ ماں جی اپنے کمرے میں تھیں۔

"ماں جی کا بی پی اچانک کیسے شوٹ کرگیا...... خیریت تھی نا......؟" ناشتہ کرتے ماریہ باجی کو دیکھا۔

"بس گاؤں میں دونوں ماموؤں نے حویلی آکر بہت باتیں کی تھیں۔ وہی زویا والے رشتے کا مسئلہ......؟ ماں جی نے مجھے زیادہ تو کچھ نہیں بتایا پرسوں صبح مختار چاچی نے کال کی اور ذکر کیا پھر شام تک ماں جی کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی' میں ذوالفقار کو لے کر فوراً پہنچی' اگلی صبح تمہیں فون کرنے کے بعد ان کو لے کر شہر آگئی تھی۔ کل سارا دن وہ کلینک میں ذوالفقار کی نگہداشت میں رہی ہیں تو کچھ طبیعت سنبھلی ہے۔" عمر کے لیے اپنے ماموؤں کے رویے خاصے تکلیف دہ تھے۔ بہت تعجب سے وہ ماریہ باجی کی باتیں سن رہا تھا۔

"مگر کیوں......؟ رشتہ کرنا یا نہ کرنا ہماری اپنی صوابدید پر ہے۔ رشتے سے انکار بڑے ماموں کی بیٹی کے لیے ہے' باقی دونوں کو کیا ہوا ہے؟"

"یہی تو مسئلے ہیں کہ منجھلے ماموں نہ تین میں نہ تیرہ میں' بس خاموش ہیں چونکہ بڑے ماموں کی بیٹی ہے اور چھوٹے ماموں کی بیگم کی بھانجی اور ہماری دونوں ممانیوں میں بڑا ایکا ہے اور ان کے زعم کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ لوگ باقر علی کی غنڈہ گردیوں کو بہادری اور مردانگی کے زمرے میں شمار کرتی ہیں۔ اور ہمارے ماموں صاحبان بیویوں کی عقل سے فیصلے کرنے والے انسان ہیں انہیں یہ تھا کہ تم باہر سے پڑھ کر آئے ہو' نانا مرحوم اور پھر اپنے ہمارے والد کی طرف سے جو تھوڑی بہت زمین ہمیں ملی ہوئی ہے اس کو بنیاد بنا کر تمہیں وہ بہلا پھسلا کر کاروبار کرنے کی آفر کریں گے اور جب زمین داری کا معاملہ ختم ہوجائے گا تو بیٹی کا رشتہ دے کر تمہیں اپنے ماتحت کرنے کی کوشش کریں گے۔ جبکہ اب ایسا نہیں ہورہا تو انہوں نے ماں جی کو بہت کچھ سنایا ہے۔" ماریہ باجی تو بھری بیٹھی تھیں۔ عمر منظر سے غائب رہنے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے یکسر بے خبر رہا تھا اس کے لیے اپنے ماموؤں کی یہ اندرونی چپقلش خاصی حیران کن تھی۔

ماں جی نے اسی بات کی سخت ٹینشن لی ہے کہ انہوں نے ساری عمر اپنے بھائیوں کے آسرے پر گاؤں میں زندگی گزار دی۔ تمہاری جدائی میں ورنہ جس طرح شروع سے ہی ماموں سرفراز ماں جی کو اپنے ساتھ امریکہ لے جانے کی کوششوں میں سرگرداں رہے تھے اب ہم وہاں ہوتے تو اچھے خاصے سیٹل ہوچکے ہوتے۔ تم ماموں کے

ساتھ مل کر اپنا کاروبار کررہے ہوتے۔ مگر ماں جی کو یہ تھا کہ یہ اپنا وطن ہے باپ دادا کی جگہ ہے مرحوم نانا جی کو ماں جی تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ نانا جی نے اپنی زندگی میں ہی اپنی بیٹی اور چاروں بیٹوں کو حصے دے کر فارغ کردیا تھا۔ ماموں سرفراز باہر چلے گئے باقی تینوں نے مل کر کاروبار شروع کرلیا۔ بڑے ماموں کچھ زیادہ لمبے ہاتھ مارنے کے چکر میں رہے ہیں ہمیشہ سے انہوں نے حمدہ کے والد چاچا طفیل کو یوں ہاتھوں میں لیا کہ ان سے نہر کے اس طرف اور پولٹری فارم والی ساری زمین اونے پونے داموں میں خرید لی۔ آج وہاں ان کا فش فارم اور پولٹری فارم کروڑوں کا بزنس کررہا ہے اور جو اصل حقدار ہیں وہ رل رہے ہیں ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔" عمر اس سلسلے میں خاموش رہا ذوالفقار بھائی بھی خاموش تھے۔

"اب کیا ہوگا' ماں جی گاؤں جائیں گی یا پھر ادھر ہی رہنا ہے؟" عمر نے پوچھا۔

"نہیں گاؤں ہی جائیں گی...... ہم نے جائز الفاظ میں رشتہ لینے سے انکار کیا ہے...... کسی کے گھر میں ڈاکہ نہیں ڈالا کہ چھپ کر بیٹھیں۔ ماں جی کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ جیسا تم مناسب سمجھو کرلو وہ تو وہاں تنہا تھیں تو مختار چاچی نے فون کرکے مجھے بلوالیا۔ دو تین دن سے تم سے بات ہورہی تھی تم نے بھی ذکر نہیں کیا کہ تم مری گئے ہوئے ہو۔ وہ تو گاؤں پہنچ کر علم ہوا کہ تم تین چار دن سے مری گئے ہوئے ہو۔" عمر نے چونک کر ماریہ باجی اور ذوالفقار بھائی کو دیکھا' وہ اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے بے خبر تھے اس کا مطلب تھا کہ ماں جی اور چاچی نے ماریہ باجی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ مری نہیں سرگودھا میں تھا۔

"مختار چاچی کیسی ہیں......؟"

"بظاہر تو ٹھیک ہیں۔ مجھے ماں جی کی پریشانی لگی رہی مگر وہاں کے حالات کچھ ٹھیک نہیں لگے...... اماں زلیخا نے ہی ذکر کیا تھا کہ حمدہ کہیں غائب ہے۔ چاچی مختار کہتی ہیں کہ وہ نگہت کے پاس گئی ہوئی ہے دو تین دن سے مگر باقر علی نے سارے گاؤں میں کچھ اور ہی مشہور کروادیا۔ پھر ماں جی کی طبیعت پریشانی لگ گئی تو مجھے خود سے چاچی یا پھر ماں جی سے خصوصی طور پر پوچھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔"

"اوہ......" عمر کے لیے یہ نئی صورت حال تھی' ماں جی نے فون پر ان حالات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"اور چاچی مختار اس وقت کہاں ہیں؟"

"ہماری حویلی ہی میں ہیں۔ اماں زلیخا نے ہی ذکر کیا تھا کہ دو دن پہلے رات اندھیرے باقر علی چند مردوں اور ایک دو عورتوں کو لے کر چاچی مختار کے گھر میں زبردستی گھس گیا تھا' نجانے اسے کیسے شک ہوگیا تھا کہ حمدہ گاؤں میں نہیں ہے اور پھر اس نے سارے گھر کی تلاشی لی' تلاشی سے پہلے چاچی باقر علی کے سامنے ہی کہتی رہیں کہ حمدہ گھر پر ہی ہے' مگر بعد میں کہنے لگیں وہ نگہت کے ہاں چلی گئی ہے۔ باقر علی کو شک ہوگیا ہے کہ اس بار چاچی نے حمدہ کو کہیں روپوش کردیا ہے تاکہ اگلے ماہ شادی نہ ہوسکے۔ اس نے گھر کا سامان توڑ ڈالا' اچھا خاصا شور شرابہ کیا گاؤں کے لوگ اٹھ کر فوراً موقع پر پہنچے تو سب کے سامنے اس نے واضح الفاظ میں چاچی کو دھمکی دی کہ اگر چند دن میں حمدہ گھر نہ پہنچی تو وہ نگہت کے سسرال میں دھاوا بول دے گا۔ ماں جی چاچی کو حویلی لے آئی ہیں۔ اماں زلیخا تو یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ ہماری دونوں ممانیاں اپنے تئیں چند رشتہ دار عورتوں کے ذریعے پتہ کرواچکی ہیں کہ وہ نگہت کے پاس نہیں ہے۔ اب وہ کہاں ہے؟ یہ تو چاچی مختار بتا سکتی ہیں۔" عمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ذوالفقار بھائی ناشتہ ختم کرکے چلے گئے تھے۔

"حمدہ نگہت کے پاس واقعی نہیں وہ سرگودھا میں ہے۔" عمر نے بڑے پرسکون انداز میں بتایا تو ماریہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

"کیا کہہ رہے ہو...... واقعی...... مگر تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"میں مری نہیں سرگودھا گیا ہوا تھا۔ میں ہی ماں جی اور چاچی مختار کے کہنے پر حمدہ کو وہاں چھوڑ کر آیا ہوں۔" عمر نے مزید انکشاف کیا۔

"کیا قصہ ہے...... سرگودھا میں چاچی مختار کا کون ہے...... جس کے پاس حمدہ کو چھوڑ کر آئے ہو؟" ماریہ باجی کا تشویش سے برا حال ہوا۔

عمر نے تمام صورت حال سے آگاہ کرکے تمام تفصیلات بتاڈالیں۔

"تمہیں یقین ہے کہ چاچی کے اتنے عرصے بعد ملنے والی اس خالہ کی فیملی بھروسے لائق ہے۔ اسے وہاں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا نا۔" تمام صورتحال جاننے کے بعد اک نئی فکر لاحق ہوئی۔

"مجھے انسانوں کی بے شک بہت پہچان نہیں مگر جتنی بھی زندگی گزاری ہے اس کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ حمدہ کے معاملے میں قابل بھروسہ ہیں۔"

"دیکھو ماں جی نے بھی مجھے کچھ نہ بتایا میں اب تک یہی سمجھتی رہی ہوں کہ تم مری سیر کے لیے گئے ہوئے ہو۔" عمر آہستگی سے مسکرادیا۔

"مجھے حمدہ والے سلسلے میں ہی آپ سے ایک اور بہت ہی اہم بات کرنی ہے۔ ماں جی سے تفصیلی ذکر کرنے سے پہلے آپ سے ذکر کرلوں تو بہتر ہے۔"

"کوئی خاص بات ہے؟" وہ فوراً متفکر ہوئیں۔

"جی۔"

"حمدہ کو وہاں کس لیے بھیجا گیا ہے آپ کو تفصیل بتا تو دی ہے میں نے......" ماریہ نے سر ہلادیا۔

"وہ لوگ میری توقع کے برعکس کافی اچھے رہے ہیں۔ اسی لیے میں مطمئن ہوکر واپس آیا ہوں۔ ہوسکتا ہے ادھر کے بگڑے حالات کو دیکھتے چاچی مختار حمدہ کی شادی کرنے کا ارادہ کرلیں' ویسے بھی انکل افتخار نے مجھے یقین دلایا تھا کہ حمدہ اب ان کی ذمہ داری ہے' ہم لوگ بے فکر رہیں' وہ چند ایک جاننے والوں سے رشتے کا ذکر کرتے ہیں شاید کہیں اچھی جگہ بات بن جائے۔"

"ارے یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" ماریہ باجی خوش ہوئیں تو عمر نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"میں اسی سلسلے میں آیا ہوں...... میں حمدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"عمر......" عمر کے انکشاف پر ماریہ باجی کافی دیر تک مہر بلب رہی تھیں۔

"کیا میں نے بہت ناجائز بات کہہ دی ہے؟" ماریہ کی خاموشی پر عمر نے کریدا۔

"نہیں...... مجھے یقین نہیں آرہا...... تم نے ہمیشہ سے ایک مختلف زندگی گزاری ہے' میں سوچ رہی ہوں کہ تم نے یہ فیصلہ کیونکر کیا......؟ میں مانتی ہوں حمدہ بہت زیادہ خوبصورت ہے مگر شادی کرنے کے لیے خوبصورتی مین وجہ تو نہیں بن سکتی۔ پھر جس طرح حمدہ کے حالات رہے ہیں اور باقر علی والی صورتحال ہی دیکھ لو ایسے میں تمہارا یہ فیصلہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کس طرح کاری ایکٹ کروں۔ کیا تم واقعی سیریس ہو یا محض مذاق کررہے ہو یا حمدہ کے ساتھ وقتی ہمدری کے جذبات رکھتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے......؟" عمر نے ایک گہری سانس لی۔

"میں نے بیشک ہمیشہ سے ایک بہت مختلف زندگی گزاری ہے مگر میں اپنا اصل کبھی نہیں بھولا۔ ماموں کے زیر سایہ پرورش پاتے ہوئے بھی میں نے نہ یہاں کے حالات کبھی فراموش کیے اور نہ ہی یہاں کے طور طریقے۔ حمدہ بے شک بہت خوبصورت ہے اور اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے میں اس کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کررہا' میں واقعی سیریس ہوں یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ میں مذاق کروں۔ آئی تھنک آئی فال ان لو ودہر۔"

"کیا......؟" ماریہ باجی حیرت سے اپنے خوبرو بھائی

اعتذار

بہن سمیرا شریف طور ناسازی طبیعت کی وجہ سے اس بار "ٹوٹا ہوا تارا" لکھ نا سکیں ہے۔ اس لیے اس ماہ ان کا ناول شامل اشاعت نہیں ہے اور آپ سب سے ان کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ آپ یہ ناول پڑھ سکیں گی۔

کو دیکھ رہی تھیں۔

"ماریہ باجی کیا آپ لو ان فرسٹ سائٹ (پہلی نگاہ کی محبت) پر یقین کرتی ہیں؟" ماریہ خاموش رہی تو عمر نے مسکرا کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"آپ کو شاید یاد ہو میں نے حمہ کو دیکھتے ہی کہا تھا کہ یہ خاصی خوبصورت لڑکی ہے وہ میری پہلی نگاہ تھی اس نگاہ میں میں نے محض حمہ کی خوبصورتی نہیں دیکھی تھی اس کے کردار کا وہ پہلو دیکھا تھا جو اس کی ذات کے رکھ رکھاؤ اور وقار پر مشتمل تھا' براؤن چادر اپنے اطراف میں لپیٹے وہ سب میں ایک دم نمایاں اور باوقار تھی۔ اس کی خوبصورتی' اس کے اطوار اس کا ماں جی کے پاس دھیمے اور سلجھے ہوئے انداز میں بیٹھ جانا' ماریہ باجی یہی وہ پہلی نگاہ تھی جس نے مجھے چونکا دیا تھا اور اس کے بعد جب بھی حمہ کا چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا یوں لگا کوئی ان دیکھی کشش مجھے اس کی طرف کھینچ رہی ہے۔" ماریہ حیران و ششدر اپنے بھائی کا دیوانہ پن دیکھ رہی تھی۔

"باجی! وہ ایک اشارہ کرے تو میں اس کے لیے آگ میں کودنے کو تیار ہوں یہ تو یہ غیر عقلمندی والی بات ہے مگر باقر علی سے دشمنی مول لینا ایسا ہی ہے اور میں حمہ کی خاطر سب جھیلنے کو تیار ہوں۔ میں حمہ کو مکمل عزت مان اور محبت بھری رفاقت دینا چاہتا ہوں' بولیں باجی! کیا میں غلط ہوں؟" ماریہ نے ایک گہرا طویل سانس لیا۔

"حمہ ایک بہت اچھی سلجھی ہوئی ایجوکیٹڈ لڑکی ہے۔ چاچی نے اس کی تربیت بڑے ناز و نعم میں کی ہے مگر حالات و واقعات نے بیچاری کو ٹھوکروں پر رکھ لیا ہے۔ مجھے حمہ اور چاچی سے دلی لگاؤ ہے میری دلی خواہش تھی کہ حمہ کی جہاں بھی شادی ہو وہاں وہ پوری عزت اور مان کے ساتھ سر اٹھا کر جیے۔ اسے زندگی کی تمام خوشیاں ملیں' ہمارے ماموؤں اور ان کے سالے صاحب کی طرف سے جو بھی زیادتیاں ہوئی ہیں ان کا ازالہ ہو جائے' مجھے خوشی ہو رہی ہے مگر اچھی طرح سوچ لو کہ کہیں تمہیں بعد میں اس فیصلے پر پچھتانا نہ پڑ جائے۔ کیونکہ حمہ سے شادی کی صورت میں سب سے پہلے ہمارے اپنے ماموں ہی تمہارے خلاف کھڑے ہوں گے۔"

"میں ہینڈل کر لوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ بس آپ اتنی فیور کر دیں کہ ماں جی اور چاچی سے ساری بات کر لیں...... حمہ وہاں تنہا ہے' میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی ممکن ہو' یہ معاملہ نبٹ جائے' ایک دفعہ حمہ کے ساتھ میرا نام جڑ گیا تو پھر بعد میں باقر علی جیسے لوگوں سے نبٹنا میرے لیے قطعی مشکل نہیں۔" عمر کا لہجہ ہمیشہ سے زیادہ مضبوط اور اٹل تھا ماریہ باجی نے مسکرا کر سر ہلایا۔

......☆☆☆......

ماریہ باجی نے ماں جی اور چاچی سے بات کی تھی' چاچی مختار کی شادی پر مرگ والی کیفیت تھی۔ اگلے تین چار دن میں اس معاملے کو کیسے نبٹایا جائے بس اسی سلسلے میں گفت و شنید ہوتی رہی تھی۔ ماں جی نے امریکہ ماموں سرفراز سے بات کر کے باقاعدہ صلاح مشورے کے بعد ہی یہ طے کیا کہ یہاں سے یہ سب لوگ بالکل خاموشی سے سرگودھا جائیں گے اور وہاں سے نکاح کے بعد واپس آ جائیں گے بعد میں باقر علی کو علم ہو بھی گیا تو معاملے کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی اگر صلح صفائی سے باقر علی مان گیا تو ٹھیک ورنہ پھر افتخار صاحب خود ہی کوئی لائحہ عمل ترتیب دے لیں گے۔ اس ساری منصوبہ بندی کے دوران سبھی نے رازداری کا مکمل طور پر خیال رکھا' ماں جی شہر میں ہی تھیں۔ مختار چاچی کو بھی شہر بلوا لیا گیا تھا۔ ماں جی کو حویلی سے کچھ ضروری اشیاء درکار تھیں جو کہ انہوں نے عمر کی دلہن کے لیے زیورات اور لباس وغیرہ کی صورت تیار کروا رکھی تھیں وہ بھی ماریہ باجی ذوالفقار بھائی کے ساتھ جا کر ساتھ میں چاچی مختار کو بھی لے آئی تھیں۔ مختار چاچی نے اپنی دونوں بیٹیوں اور دامادوں سے اس رشتے کے متعلق ذکر کیا تھا اور پھر سارا لائحہ عمل طے کرنے کے بعد ان لوگوں نے سرگودھا اطلاع کر دی تھی۔

حمہ کے لیے ابھی تک عمر کی پسندیدگی والا انکشاف ہی خاصا حیران کن تھا اوپر سے ایکدم یہ نئی صورتحال عمر نے جانے کے بعد اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ایک کال تک بھی نہیں کی تھی۔ گاؤں میں ہونے والی تمام صورتحال اسے پتا چل گئی تھیں مگر بعد میں ہونے والی منصوبہ بندی سے وہ بے خبر ہی تھی کہ رات کو ازکیٰ نے آ کر اسے یہ اطلاع دی تھی کہ گاؤں سے یہ سب لوگ آج یہاں سرگودھا پہنچنے والے ہیں عمر کے لیے اس کا پروپوزل اماں نے قبول کر لیا ہے اور اسی سلسلے میں آج نکاح کی رسم ادا کی جائے گی۔ وہ ساری رات پریشان رہی تھی۔

وہ بار بار اماں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ادھر سے کوئی بات ہی نہیں کرتا تھا۔ بس اماں نے ایک بار ہی کال کر کے کہہ دیا کہ وہ وہاں آ کر اسے ساری صورت حال سمجھا دیں گی۔ یہ لوگ دوپہر کو یہاں پہنچے تھے۔ ان لوگوں کے ہمراہ حمہ کی دونوں بہنیں اور ان کے شوہر بھی تھے' اماں' ماریہ باجی ان کے شوہر بی بی کے علاوہ چند اور جاننے والے بھی تھے جن میں ایک دو گاؤں کے معتبر بزرگ تھے۔ یہ سب بی بی کے حامی تھے۔ یقیناً عمر لوگوں کے ساتھ ہی آئے تھے۔ ماں جی خاصی پرسکون تھیں جبکہ ماریہ اور حمہ کی دونوں بہنیں خاصی خوش لگ رہی تھیں۔ نکاح کی تقریب شام کے وقت تھی اور اس وقت وہ اماں کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی اس ساری صورت حال پر الجھ رہی تھی۔

"اماں یہ بھلا کہاں ممکن ہے......؟ ہمارا اور ان کا کوئی جوڑ نہیں...... کہاں وہ لوگ اور کہاں ہم؟ اماں یہ سب طے کرنے سے پہلے مجھے کچھ تو بتایا ہوتا؟"

"ٹھیک کہا تم نے...... مگر میں ماں ہوں تمہارے لیے مجھے کسی ایسے ہی خاندان کی تلاش تھی' بی بی سے میری آج کی رشتہ داری نہیں کہ میں انکار کر دیتی۔ وہ لوگ بہت محبت اور خوشی سے یہ سب کر رہے ہیں۔ ہم تم اور وہ ایک ہی خاندان کا حصہ ہیں۔ رشتہ داری ہے ہماری آپس میں' اگر تمہارے باپ کی یہ حرکتیں نہ ہوتیں تو اللہ نے بہت کچھ دے رکھا تھا' زمین' جائیداد' حویلی' دولت' کوئی کمی نہ تھی اور عمر لاکھوں میں بہتر ہے تم اپنے دل سے یہ خیال نکال دو یہ لوگ بہت محبت اور خوشی سے تمہیں اپنا رہے ہیں۔" اماں نے اس کو سمجھانا چاہا۔

"وہ سب ٹھیک ہے مگر جب ہمارے پاس سب کچھ تھا تب ہماری حیثیت بھی اور تھی' اماں یہ باقر علی کے نام کی شہرت مجھے جیتے جی مار ڈالنے کو کافی ہے۔ باقر علی کا حوالہ سن کر لوگ میرا نام نہیں لیتے اور یہ لوگ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' جب گاؤں میں پتا چلے گا تو بہت ہنگامہ ہوگا۔" وہ انتہائی پریشان تھی۔

"تم دل سے سب واہموں کو نکال کر پرسکون ہو جاؤ۔ جب تک تمہاری ماں زندہ ہے وہ کسی کو بھی تمہاری طرف میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھنے دے گی۔ یہ سب کچھ تمہاری بہتری اور بھلائی کے لیے ہی کر رہی ہوں۔ پھر افتخار نے بھی تسلی دی ہے کہ اگر ایک دفعہ نکاح ہو گیا تو ہماری قانونی حیثیت مستحکم ہو جائے گی تب باقر علی نے اگر کوئی اوچھی حرکت کی بھی تو ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکیں۔" اماں بہت پرامید تھیں وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ماریہ باجی اور نگہت وغیرہ کے آ جانے سے بات ٹل گئی تھی۔

"ہم تمہارے لیے شہر سے آتے ہوئے یہ سب لے کر آئے ہیں۔" نگہت باجی نے ایک خاصا بھاری خوبصورت کام والا جوڑا اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ سوٹ کافی پیارا تھا حمہ کی نگاہیں ایک پل کو سوٹ پر جم سی گئی تھیں۔

"میں نے اور نگہت نے آتے ہوئے عمر کو ساتھ لے کر یہ سوٹ خریدا تھا پیارا ہے نا؟" ماریہ اس کی توجہ محسوس کر کے ایکدم خوش ہو کر پوچھ رہی تھی۔ حمہ محض سر ہلا گئی۔

یہ سب کچھ اس قدر عجلت اور افراتفری میں ہو رہا تھا کہ حمہ کو اپنے احساسات کی خود بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی' خصوصاً عمر ہاشم جیسے اعلیٰ اور مکمل شخصیت رکھنے والے انسان کا تصور ہی مقابل کو شکست تسلیم کر دینے پر مائل کر سکتا تھا۔

شام تک ماریہ باجی نگہت اور ازکیٰ نے مل کر اسے مکمل طور پر دلہن کے روپ میں سجا دیا تھا۔ ایجاب و قبول کے مراحل طے کرتے وقت وہ شدت سے رو دی تو سبھی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

حمرہ نکاح کے کچھ دیر بعد ہی اندر کمرے میں آ گئی تھی۔ ماریہ نے روایتی نندوں کی طرح حمرہ سے چھیڑ چھاڑ تو نہیں کی تھی تاہم وہ آتے جاتے جن نظروں سے دیکھ رہی تھیں حمرہ مسلسل پزل ہو رہی تھی۔

"تم بیٹھو تمہارے لیے کھانے پینے کو کچھ لاتی ہوں۔" اسے بٹھا کر ازکی باہر نکل گئی تو وہ گم صم سی بیٹھی اس ساری صورتحال پر مسلسل غور کرنے لگی۔ تبھی اس کے سرہانے پڑا موبائل بجنے لگا۔ حمرہ نے چونک کر موبائل کو دیکھا یہ عمر ہاشم کا دیا ہوا موبائل تھا۔ موبائل کی اسکرین پر جگمگانے والا نمبر دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

"عمر کالنگ......" کے حروف واضح تھے۔ اس دن صبح عمر کے واپس جانے کے بعد وہ لاشعوری طور پر اس کی کال کی منتظر رہی تھی مگر کوئی کال نہ آئی تھی مگر اب عمر کا نام دیکھ کر وہ الجھ گئی۔ کچھ دیر قبل نکاح کی رسم ہوئی تھی اور اب یہ کال آ گئی تھی اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کرے؟ حمرہ نے خاموشی سے موبائل تھام کر کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم......" عمر کہہ رہا تھا' حمرہ کو اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئیں۔

نکاح کے بعد اسی شخص سے بات کرنا...... حمرہ کے اندر ایکدم ڈھیروں شرم نے ڈیرہ جمایا۔

"حمرہ؟" وہ پکار رہا تھا' وہ تب بھی خاموش رہی۔ لب شرم وحیا سے ساکت رہ گئے۔

"مجھے پتا ہے آپ سن رہی ہیں...... کیسی ہیں آپ؟ طبیعت ٹھیک ہے؟" عمر کی وہی مخصوص بھاری سحر طراز آواز کانوں میں گونجی تو اس نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا' وہاں سے ماریہ باجی ازکی کے ہمراہ اندر آ رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے کال کاٹ کر موبائل گود میں رکھ لیا۔

"کیا ہوا...... کس کی کال تھی؟" ماریہ باجی نے اس کا شرم سے سرخ چہرہ دیکھا۔ تبھی موبائل پھر بجنے لگا تھا۔ ماریہ کی طرف سے نظریں چراتے اس نے پھر کال کاٹ دی۔

"کہیں عمر تو کال نہیں کر رہا؟" اس کے سرخ رخسار دیکھتے ماریہ نے تکا مارا تو وہ مزید سرخ پڑ گئی۔ ماریہ باجی کھل کر ہنس دیں۔

"ابھی عمر نے مجھے بھی کال کی تھی۔ باہر کھانا کھایا جا رہا ہے وہ تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ کیا خیال ہے بلالوں؟"

"ماریہ باجی پلیز......" انہوں نے محبت سے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔

"وہ بہت بے چین ہو رہا ہے۔ صرف ایک جھلک دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے کہہ دیا اپنی بیگم سے پوچھ لو اگر وہ ملنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں ملاقات کا انتظام کر دیتی ہوں۔"

"مجھے نہیں ملنا......" ماریہ نے ازکی کو دیکھا وہ معنی خیز انداز میں ہنس دیں۔

"مگر ہم تو ملاقات کروانے کا وعدہ کر بیٹھے ہیں۔" حمرہ کو اپنے ہاتھ پاؤں یخ ہوتے محسوس ہوئے۔

"یار میرا بھائی اتنا ڈراؤنا نہیں کہ تم یوں خوفزدہ ہو جاؤ۔" ماریہ نے اسے چھیڑا۔

"میرے لیے یہ سب قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ ابھی میں کسی کا بھی سامنا نہیں کر سکتی۔" حمرہ کی آنکھوں سے دھیرے سے آنسو بہہ نکلے۔ ماریہ نے آہستگی سے گلے لگا کر دلاسہ دیا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی تو ازکی نے اٹھ کر دیکھا عمر ہاشم کو دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

حمرہ بھی اسے دیکھ کر متوحش ہوگئی۔ ازکی کے رستہ دینے پر وہ اندر آ گیا تھا۔ حمرہ نے فوراً دوپٹے کے زرتار پلو میں اپنا منہ چھپا لیا۔ ماریہ کی ہنسی نکل گئی۔ وہ اسے خود سے جدا کرتے کھڑی ہوگئیں۔ حمرہ خاصی پریشان ہوگئی تھی۔

"ہم باہر ہی ہیں۔ عمر زیادہ پریشان نہیں کرتا۔" حمرہ اور عمر کو ایک ساتھ کہہ کر وہ ازکی کو لیے باہر نکل گئی تھیں۔

عمر نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا تو حمرہ کو اپنا دل بھی بند ہوتا محسوس ہوا۔ دوپٹے کا کنارہ مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ کر چہرے کے گرد کر لیا۔ کامداری سرخ دوپٹے کی اوٹ میں وہ سر جھکائے عمر ہاشم کو مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

کئی دن ہو گئے تھے اس نے اسے نہیں دیکھا تھا' اس کی آواز نہیں سنی تھی وہ پچھلے دنوں اتنا بزی رہا تھا کہ کال کرنے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔ وہ جاتے ہوئے اسے کہہ کر بھی گیا تھا کہ وہ موبائل آن رکھے وہ کال کرے گا مگر پھر نہ کر پایا اور اب جب سے وہ ادھر تھا نجانے کیسے خود کو روک رکھا تھا' ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کو دیکھنے پہنچ جائے اور اب جب کہ اس کے جملہ حقوق عمر ہاشم کے نام محفوظ ہو چکے تھے وہ اس کے وجود پر مکمل ملکیت کا حق رکھتا تھا تو بھی اس سے ملنے سے پہلے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

"السلام علیکم......" وہ اس کے سامنے آ رکا تو حمرہ ساکت سی سر جھکائے اسی طرح سرخ دوپٹے کی اوٹ میں بیٹھی رہی۔ عمر اس کے سامنے بستر پر ٹکا تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

"کیسی ہیں آپ؟" عمر پوچھ رہا تھا حمرہ پر گھبراہٹ طاری ہو چکی تھی۔ اس نے غیر محسوس انداز میں پیچھے سرکنا چاہا تو عمر نے ایکدم اس کا ہاتھ تھام کر اس کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔ حمرہ نے تڑپ کر دیکھا مگر دوپٹے کی اوٹ سے وہ مقابل کے تیور نہ جانچ پائی۔

"میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا بس تھوڑی دیر کے لیے صرف آپ کو دیکھنے آیا ہوں۔" اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے عمر نے مسکرا کر کہتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے دوپٹے کے کنارے کو تھامے ہاتھ کو پکڑ کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا تھا حمرہ عمر کی اس جسارت پر بس لحظہ بھر کو دیکھ پائی تھی۔ وہ آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں آباد کیے نہایت وارفتہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حمرہ کا دل بڑے زور سے دھڑکنے لگا۔

حمرہ نے پلکوں کی جھالر گرا لی تو عمر کے ہاتھوں میں جکڑے اپنے دونوں ہاتھ بھی کھینچ لیے۔ عمر جو اس قدر شدت سے اسے دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ کھینچنے پر چونک گیا۔ حمرہ حسین تھی مگر اس وقت دلہناپے کی تمام تر سج دھج لیے وہ اس کی ساری سدھ بدھ کھوئے دے رہی تھی۔

"حمرہ...... آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" حمرہ جو اس کی نظروں سے پہلے ہی خائف ہو رہی تھی اب ایکدم سٹپٹا گئی۔ اس قدر والہانہ پن اس قدر بے ساختگی!

"آپ خوش ہیں نا؟" وہ پوچھ رہا تھا' وہ بس سر جھکائے بیٹھی رہی۔

وہ ایک دفعہ پہلے بھی دلہن بنی تھی مگر تب نکاح سے پہلے ہی اس کی سج دھج اجاڑ دی گئی تھی اور آج اس کی زندگی میں یہ دن دوسری بار آیا تھا۔ دوسری بار کسی مرد کے نام پر وہ پور پور سجائی گئی تھی مگر اس وقت وہ اپنی حالت پر خود ہی گھبرا رہی تھی۔ اس کے دل کے اندر خوشی کی بجائے خوف' ڈر اور گھبراہٹ کا عنصر غالب تھا۔ ماضی میں اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہو چکا تھا ان لمحوں میں وہ چاہ کر بھی ماضی کو فراموش نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں آپ کی فیلنگ سمجھ سکتا ہوں۔ مجھے اندازہ ہے کہ آپ کے لیے یہ سب فوراً قبول کرنا مشکل ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد اس رشتے پر دل سے خوشی محسوس کریں گی۔ میں نے آپ کو پہلی نگاہ میں دیکھنے کے بعد آپ سے محبت کا رشتہ باندھا تھا آج آپ میری زندگی کا حصہ ہیں۔ یقین کریں میں بہت خوش ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا' حمرہ خاموش رہی۔

"آپ کچھ نہیں کہیں گی؟" اس کے ہاتھ کو محبت سے تھام کر وہ کہہ رہا تھا۔

"کیا کہوں؟" حمرہ نے سر اٹھا کر عمر کو دیکھا وہ ہنس دیا۔

"جو بھی آپ کے دل میں ہے...... اس وقت جو بھی محسوس کر رہی ہیں۔" محبت سے ہاتھ دبا کر اس کو بولنے پر اکسایا۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اگر باقر علی کو پتا لگ گیا تو؟" عمر ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔

"تو اچھی بات ہے نا میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ بہت جلد یہ معاملہ سلجھ جائے۔ باقر علی نے جو بھی اسٹیپ لینا ہے جلد از جلد لے۔ آپ اب میری بیوی ہیں اگر وہ کسی زعم میں آ کر کچھ غلط کرے گا تو اس کا خمیازہ بھی بھگتے گا۔ آپ کی جان کا تحفظ اب میری ذمہ داری ہے اگر مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں تو بس یہی کہوں گا کہ بے فکر ہو کر آنے والی نئی زندگی کے متعلق خوشگوار انداز میں سوچیں۔ ان شاء اللہ میں آپ کو

زندگی کے کسی بھی قدم پر تنہا نہیں چھوڑوں گا۔" عمر کے الفاظ حمدہ کے اندر ایک یقین بن کر اترے تھے۔ ایک دھیمی سی مسکان اس کے لبوں پر آٹھہری جسے عمر ہاشم نے بھی فوراً محسوس کرلیا اس کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی گویا۔

"آپ کے لیے یہ چھوٹا سا تحفہ لایا تھا۔ اگر قبول کرلیں گی تو عنایت ہوگی۔" عمر ہاشم نے پینٹ کی جیب سے ایک خوبصورت بریسلیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا' حمدہ نے سٹپٹا کر عمر اور پھر تحفے کو دیکھا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" وہ لینے میں تامل برت رہی تھی۔ عمر نے مسکرا کر خود ہی حمدہ کا ہاتھ تھام کر نہایت آہستگی سے بریسلیٹ پہنا دیا۔

عمر کے ہاتھ میں اس کا نرم و نازک ہاتھ لرز رہا تھا۔ بریسلیٹ پہنا کر عمر نے ایک دو پل حمدہ کی لرزتی پلکوں کو دیکھا اور پھر جھک کر بہت نرمی سے اس کے ہاتھ کو پرحدت ہونٹوں سے چھوتے ہوئے اس کے وجود کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ حمدہ اس سب کے لیے قطعی تیار نہ تھی اچھی خاصی حواس باختہ ہوگئی تھی۔

"آپ میری زندگی کا سب سے بڑا سچ ہیں حمدہ...... آپ کی محبت میری رگوں میں خون کی مانند سرائیت کررہی ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں میں کبھی بھی کسی بھی موڑ پر آپ کو تنہا نہیں ہونے دوں گا۔ میری محبت میرے خلوص پر اعتبار کیجیے گا۔" بہت محبت و اپنائیت سے کہتے نہایت استحقاق بھرے انداز میں اس کے چہرے پر اپنا پرحدت لمس چھوڑ کر سب کہہ کر عمر ہاشم چلا گیا تو بھی حمدہ اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

اگلے دن صبح صبح یہ لوگ رخصت ہورہے تھے' پروگرام کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ جب تک معاملہ حل نہیں ہوگا حمدہ اور چاچی مختار ادھر ہی رہیں گی باقی لوگ رخصت ہورہے تھے۔ صبح سے عمر کی کئی کالز آرہی تھیں مگر کل نکاح کے بعد عمر سے ہونے والی ملاقات کے بعد حمدہ اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کررہی تھی جیسے ہی ماریہ باجی اور بی بی حمدہ کی بہنیں سب اس سے مل کر اس کے کمرے سے نکلیں عمر کے میسجز آنے شروع ہوگئے تھے۔

"میں آپ کو ایک بار جانے سے پہلے دیکھنا چاہتا ہوں' حمدہ پلیز باہر لان میں آئیں یا پھر میری کال پک کریں۔" حمدہ میسج پڑھ کر مسکرادی۔

حمدہ کو لگا گویا ایک دم زندگی میں سارے غموں کی تلافی ہوگئی ہے۔ سارے زخموں پر مرہم رکھ دیا گیا ہے۔

"میں نہیں آسکتی......" اس نے میسج کردیا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں خود اندر آجاتا ہوں۔" فوراً جواب ملا تھا۔ وہ ہنس دی۔

ایک دو پل سوچنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔ اماں اور حویلی والے سب کو رخصت کرنے باہر صحن میں آئے ہوئے تھے۔ بی بی خالہ بی سے مل رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے اماں کے پاس آکھڑی ہوئی۔ ماریہ باجی اسے دیکھ کر مسکرادیں اور محبت سے اس کا بازو تھام لیا۔

"اپنا خیال رکھنا اور پریشان نہیں ہونا۔ ہم کوشش کریں گے کہ اب جلد از جلد یہ معاملہ ہینڈل ہوجائے پھر تمہیں بڑی دھوم دھام سے رخصت کروا کر اپنی حویلی لے کر جائیں گے۔" وہ اسے چھیڑ رہی تھیں وہ جھینپ گئی۔

بی بی نے بھی اسے دوبارہ گلے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا تو اس کے اندر کا اعتماد کئی گنا بڑھا۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی چلتے وہ سیڑھیوں تک چلی آئی تھی آگے لان تھا' جہاں گیٹ کے قریب عمر اور ذوالفقار بھائی اپنی اپنی گاڑیوں کے پاس کھڑے تھے۔ حمدہ نے بس ایک بار گیٹ کی طرف دیکھا تھا عمر متوجہ تھا اس نے چہرہ پھیر لیا تھا۔ عمر کی نگاہوں کا وہی مخصوص تاثر اس وقت الجھانے کی بجائے بڑے خوبصورت انداز میں دل دھڑکانے کا سبب بن گیا تھا۔

تبھی موبائل میں میسج ٹون بج اٹھی اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل دیکھا عمر کا میسج تھا۔

"تھینکس......" وہ سر جھکائے مسکرادی۔ گاڑیاں گیٹ سے نکلیں تو وہ حویلی والوں کے ہمراہ اندر چلی آئی تب بظاہر اسے افسردہ ہونا چاہیے تھا مگر وہ مطمئن تھی اسے یقین تھا کہ جس طرح قسمت نے ایک دم پلٹا کھایا ہے اب وہ دن دور

نہیں ہوگا جب وہ باقر علی کے عفریت سے نجات پالے گی اور ایک پرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہوجائے گی۔ اسے اب شدت سے ان لوگوں کے لوٹنے کا انتظار تھا۔

...... ☆☆☆ ......

حمدہ اور عمر ہاشم کے نکاح میں شامل گواہان میں سے دو گواہ بی بی کے ساتھ ہی گاؤں سے گئے تھے۔ یہ دونوں اشخاص علاقے کے سرکردہ شخصیت کے حامل تھے۔ چاچا رحمت اور ان کے بھائی اشفاق صاحب کو بی بی نے بطور خاص اسی لیے بلوایا تھا کہ نکاح کے دوران ان لوگوں کی شرکت سے معاملہ ان لوگوں کے حق میں رہے گا۔ کیونکہ جب سے باقر علی اور حمدہ والا معاملہ شروع ہوا تھا یہ لوگ ہی ابھی تک معاملے کو سنبھالے ہوئے تھے ورنہ جس طرح باقر علی کی حرکات تھیں کچھ بعید نہ تھا کہ وہ کب کا زور و زبردستی سے حمدہ سے شادی رچا چکا ہوتا۔ حمدہ کی وہ شادی جو ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اس شادی کا دلہا جسے اغوا کرکے باقر علی نے کئی دن اپنی تحویل میں رکھا تھا ان لوگوں کی کوششوں سے ہی دوبارہ وہ باقر علی کی قید سے نکل پایا تھا اور باقر علی ابھی تک محض ڈرا دھمکا کر حمدہ اور اس کی ماں کو حراساں ہی کرتا رہا تھا یہ سب ان لوگوں کی وجہ سے ہی تھا ورنہ حمدہ کا حصول مشکل نہ تھا۔ اب جس طرح نکاح کی تقریب ہوئی تھی بی بی نے ان لوگوں کو ہی ثالث بنا کر گاؤں کے تمام بڑے بڑے زمینداروں کو اس معاملے کو حل کرنے کی دعوت دی تھی۔ چند دن تو خوب معاملہ اچھالا گیا تھا' باقر علی اپنے گاؤں سے اس گاؤں میں روزانہ چکر لگا رہا تھا' اس کی حیثیت ایک زخم کھائے شیر کی سی تھی' وہ روز دھمکیاں بھجوا رہا تھا مگر مقابل بھی عمر ہاشم جیسے لوگ تھے وہاں بی بی کے دونوں بھائی ٹھکرا دیا والے رشتے سے انکار پر سخت ناراض تھے مگر چونکہ بی بی ان کی ہمشیرہ تھیں تو وہ باقر علی کی بجائے ان کا ساتھ دینے پر مجبور تھے ورنہ یہ طے تھا کہ اگر وہ باقر علی کی حمایت کریں گے تو ساری برادری ان لوگوں کا بائیکاٹ کردے گی' بی بی جن کا اصل نام بلقیس بیگم تھا' بچپن سے ہی چھوٹے بڑے سبھی نے ان کو بی بی کہنا شروع کردیا تو وقت کے ساتھ ساتھ یہ نام ان کی پہچان بن گیا تھا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد بی بی نے بھائیوں پر انحصار کرنے کی بجائے اپنی زمینوں کے معاملات خود سنبھالے تھے۔ وہ براہ راست نگرانی نہ کرتی تھیں مگر مزارعوں کے ذریعے سب حالات پر نگاہ رکھتی تھیں۔ ان کی پورے گاؤں میں ایک مخصوص حیثیت تھی تمام چھوٹے بڑے زمینداران کے فیصلے کو اہمیت دیتے تھے' ایسے میں باقر علی اگر براہ راست حمدہ والے معاملے پر ان سے الجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا سراسر نقصان اس کی اپنی ذات کو ہوتا تھا' بہرحال علاقے کے تمام سرکردہ افراد ان کے ہمراہ تھے۔ عمر ہاشم چونکہ عرصہ بعد اپنے علاقے میں آیا تھا تو اس کے لیے یہاں کے بہت سے حالات و واقعات نامانوس تھے چونکہ جوان خون تھا جوشیلا تھا' قوت بازو پر انحصار کرتا تھا۔ وہ باقر علی کی حمدہ کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی بالادستی کو قبول کرنے پر تیار نہ تھا جبکہ بی بی کی رائے تھی کہ یہ سارا معاملہ گاؤں میں ہی حل ہوجائے تو بہتر ہے کل کلاں کو اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی یا باقر علی نے کوئی کارروائی کی تو سارے گاؤں والے ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوں گے۔ اس موقف پر عمر نے بی بی کی بات مان لی تھی مگر اندرونی طور پر وہ باقر علی سے خاصا خار کھائے ہوئے تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ باقر علی اس کے سامنے آجائے تو وہ اس سے بھڑ بیٹھے۔ مگر بی بی کی وجہ سے خاموش تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ گاؤں کی بیٹھک میں سب کے درمیان تھا۔ باقر علی بھی آیا ہوا تھا اس کے اپنے تینوں ماموں بھی تھے۔ منجھلے ماموں کے علاوہ بڑے اور چھوٹے دونوں ماموؤں نے خاموشی اختیار کررکھی تھی۔ عمر کو ماموؤں کے اس طرز عمل سے بڑی تکلیف ہوئی تھی۔ بی بی نے اپنی ساری زندگی ان بھائیوں کے ساتھ گزاری تھی' اور یہ بھائی اب اس موقع پر اپنے مفادات کی وجہ سے پہلو تہی کررہے تھے۔ باقر علی کا طرز عمل خاصا شدت انگیز تھا' وہ بار بار حمدہ کا نام لے کر چاچی مختار پر دھوکہ دہی اور دغا بازی کے الزام عائد کررہا تھا' عمر کا جی چاہ رہا تھا کہ ایک دم اس کا

گریبان پکڑ کر اس کی ساری اکڑ نکال کر رکھ دے۔ وہ بلیک بیلٹ رہا تھا امریکہ میں رہتے ہوئے دو ہی تو شوق تھے ایک تعلیم پر توجہ دینا اور دوسرا بلیک بیلٹ بننا...... باقر علی جیسے لوگ اس کے ایک ہاتھ کی مار تھے۔ بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتا وہ پنچایت فیصلہ سن کر چلا آیا تھا۔

چونکہ چاچی مختار اور حمدہ منظر سے غائب تھیں حتمی فیصلہ یہی طے پایا تھا کہ یہ دونوں واپس گاؤں آئیں بلکہ نکاح میں موجود تمام گواہان بھی پنچایت میں حاضر ہوں تبھی کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔ جبکہ باقر علی معاملے کو غلط رنگ دینے کی کوشش میں تھا اس کی کوشش تھی کہ حمدہ کے کردار کو بنیاد بنا کر عمر ہاشم کے ساتھ نکاح کی رسم کو کوئی اور ہی رنگ دے ڈالے۔ عمر پنچایت سے سخت کبیدہ خاطر ہو کر نکلا تھا۔ حویلی آیا بھی تو خاصا غصے میں تھا۔

"ماں جی! صرف آپ کی وجہ سے میں اس معاملے کو اتنا برداشت کر رہا ہوں ورنہ باقر علی جس طرح حمدہ اور میرے نکاح کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ آپ سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حمدہ بیچاری تو سرے سے بے خبر تھی اس سے شادی کی خواہش صرف اور صرف میری تھی۔ ہم نے صاف اور واضح انداز اپنایا ہے ڈائریکٹ نکاح کیا تھا۔ چاچی مختار حمدہ کی وارث ہیں ان کی ایماء پر یہ نکاح ہوا تھا اب باقر علی کون ہوتا ہے اس معاملے کو اچھالنے والا۔ آپ نے بھی گاؤں والوں کو شامل کر کے معاملے کو مزید الجھا دیا ہے۔ اب ہر کوئی نجانے کس کس رنگ میں اس نکاح کی کارروائی کو لے رہا ہے اوپر سے گاؤں والوں نے چاچی مختار اور حمدہ کی موجودگی کو لازمی قرار دے دیا ہے۔" بی بی نے جیسے ہی پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے؟ وہ پھٹ پڑا تھا۔

"تم اتنا عرصہ گاؤں سے دور رہے ہو...... تمہارے لیے یہ سب کچھ نیا اور عجیب ہے یہاں گاؤں میں ایسے متنازعہ فیصلے اسی طرح ہوتے ہیں۔ گاؤں والوں کو اس لیے شامل کیا تھا کہ کل کو باقر علی کچھ غلط کرے تو ہمارے پاس گاؤں کے لوگوں کی حمایت ہو۔" بی بی نے رسان سے جھاڑنا چاہا تو اس نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

"اور وہ باقر علی جان بوجھ کر حمدہ کی غیر موجودگی کو غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ سب کیا ہے؟ گاؤں والوں نے اس شخص کو خوامخواہ سر پر چڑھا لیا ہے ورنہ ایک ہاتھ کی مار ہیں ایسے لوگ......؟" بی بی نے بغور عمر ہاشم کا غصہ دیکھا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر پاس بٹھا کر محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"اب کیا طے ہوا ہے؟" بی بی کے انداز پر عمر نے اپنا غصہ کنٹرول کیا۔

"گاؤں والوں نے نکاح کے تمام گواہان کو پرسوں پنچایت میں حاضر ہونے کو کہا ہے۔ خصوصاً چاچی مختار کی موجودگی ضروری قرار دی گئی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ افتخار صاحب کی موجودگی بھی۔ باقر علی کو شک ہے کہ حمدہ اور چاچی یہیں گاؤں میں ہی ہیں وہ افتخار صاحب کے پاس نہیں بلکہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور یہ نکاح والا سارا معاملہ محض ڈرامہ ہے۔ بلکہ وہ حمدہ کے کردار کے حوالے سے بھی مجھے بنیاد بنا کر اور بھی بکواس کر رہا تھا۔"

"بکواس کرتا ہے تو کرنے دو...... باقر علی خود کس کردار اور قماش کا شخص ہے یہ بھی سارا گاؤں جانتا ہے۔" بی بی نے اپنے بیٹے کے بگڑے تیوروں کو بغور دیکھا۔

"حمدہ کا کردار اخلاق سب سامنے کی باتیں ہیں۔ گاؤں والے اندھے نہیں جو معاملے کو پرکھ نہ سکیں...... میں نے تو صرف اس لیے گاؤں کے سربراہوں کو اس معاملے میں شامل کیا تھا کہ باقر علی جیسے لوگوں کو سنبھالنا آسان رہے جس طرح ایک عرصے سے باقر علی نے حمدہ کا پیچھا لیا ہوا ہے وہ محض تمہارے اور حمدہ کے نکاح کا سن کر خاموش بیٹھنے والا نہیں تھا اس لیے بھی مجھے گاؤں والوں کی مدد چاہیے تھی۔"

"بہرحال جو بھی وجہ تھی مگر باقر علی نے بیچ پنچایت کے اب اگر اگلی بار حمدہ کے سلسلے میں کوئی فضول بات کی میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ حمدہ اب میری بیوی ہے۔" عمر ہاشم خاصا تپا ہوا تھا۔

"اچھا جو بھی ہے اب معاملہ گاؤں کی پنچائیت میں میں نے خود پہنچایا ہے تو تم بھی آرام وسکون سے اب معاملے کو سلجھنے دو جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ پرسوں افتخار، مختار اور حمدہ کے ہمراہ آ تو رہا ہے پھر دیکھتے ہیں پنچائیت کیا فیصلہ کرتی ہے مجھے یقین ہے فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہوگا۔ بعد میں جو ہوگا دیکھیں گے۔" بی بی نے اب بھی پرسکون انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تو عمر محض خاموش ہوگیا۔

بی بی اٹھ کر نماز پڑھنے چلی گئیں تو عمر کا دھیان حمدہ کی طرف چلا گیا۔ نکاح کے بعد سے اب کتنے دن ہو رہے تھے حمدہ کو دیکھے ہوئے۔ عمر کا شدت سے جی چاہا کہ وہ کہیں سے سامنے آ جائے تو وہ اسے جی بھر کر دیکھ لے۔

وہ جب سے لوٹا تھا اس نے کئی بار حمدہ کے نمبر پر کال کی تھی مگر وہ کال ہی پک نہیں کرتی تھی، جبکہ افتخار صاحب اور مختار چاچی سے کئی بار بات ہو چکی تھی نہ وہ کسی میسج کا جواب دیتی تھی اور نہ ہی کال ریسیو کرتی تھی۔ اس وقت دل ودماغ میں جو کیفیت چل رہی تھی ایسے میں جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر حمدہ کے پاس چلا جائے یا اسے اپنے سامنے لے آئے۔ موبائل کے بجائے اس نے حویلی والے نمبر سے اس کے نمبر پر کال کی تو چار پانچ بیلز کے بعد کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

"السلام علیکم!" کئی دن بعد حمدہ کی آواز سننے کو مل رہی تھی یوں لگا جیسے اندر سینے میں کہیں اٹھنے والی طغیانی کا وجود ایکدم سرد پڑ گیا تھا۔

"وعلیکم السلام...... کیسی ہیں؟" عمر کی آواز پہچان کر دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

"حمدہ پلیز بات کریں...... کال بند نہیں کریں...... میں نے آپ کو کال کی ہے کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔" وہ پہلے ہی باقر علی کی حرکتوں کی وجہ سے پریشان تھا۔ ایسے میں حمدہ کا رویہ اس کا ٹمپر لوز ہوا تھا۔

"میں اماں کو بلوا دیتی ہوں، کوئی خاص بات ہے تو ان سے کرلیں۔" عمر کی دھمکی پر دوسری طرف سے پرسکون انداز میں جواب ملا تھا۔

"میں نے اگر چاچی سے بات کرنی ہوگی تو ان سے ڈائریکٹ بات کروں گا۔ آپ بتائیں آپ کیوں میری کالز پک نہیں کر رہیں؟ آپ کو اندازہ نہیں آپ کے اس رویے کی وجہ سے میں کس قدر پریشان اور ہرٹ ہوا ہوں۔" شروع میں تلخی سے مگر آخر میں دھیمے لہجے میں کہا۔

"مجھے یوں بات کرنا اچھا نہیں لگا اسی لیے میں کال ریسیو نہیں کرتی تھی۔ ہمارا صرف نکاح ہوا ہے رخصتی تو نہیں نا......" حمدہ کا وہی سنجیدہ انداز تھا۔

حمدہ کے الفاظ نے عمر پر بڑے عجیب انداز میں اثر کیا۔

"آپ میری بیوی ہیں رخصتی تو محض ایک فارمیلٹی ہے۔ نکاح سے بڑھ کر بھی شادی کی کوئی رسم ہوتی ہے تو وہ بتادیں میں وہ بھی کروالیتا ہوں۔" حمدہ کے الفاظ پر عمر نے کچھ غصے سے کہا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی اور پھر کچھ توقف کے وہ کہنے لگی۔

"مگر جس ماحول سے میں تعلق رکھتی ہوں وہاں ان باتوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ سے بات کروں اور کسی کو کچھ کہنے کا موقع ملے۔ بھلے ہمارے درمیان بہت جائز رشتہ ہے مگر جب تک باقر علی والا معاملہ حل نہیں ہو جاتا میں سکون سے آپ سے بات نہیں کرسکتی......" عمر نے لب بھینچ لیے۔ وہ تو سمجھا تھا کہ نکاح ہو چکا ہے اب سب کچھ کلیئر ہو چکا ہے مگر لگ رہا تھا کہ اصل پریشانی تو اب آئی ہے۔ حمدہ کا گریز اسے طیش دلا گیا تھا۔

"اوکے اب آپ سے تبھی بات ہوگی جب آپ رخصت ہو کر میرے روبرو میرے بیڈروم میں ہوں گی۔ اللہ حافظ......" عمر نے بہت سنجیدگی سے کہتے کال بند کردی تھی، جبکہ دوسری طرف حمدہ عمر کے رویے اور الفاظ پر ایکدم پریشان ہو کر اپنی جگہ جامد سی کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

حمدہ، چاچی مختار اور افتخار صاحب کے ساتھ یہ لوگ دوپہر کو ہی گاؤں پہنچ گئے تھے۔ افتخار صاحب ایک بااثر شخصیت تھے اپنی ذاتی لینڈ کروزر اور محافظوں کے درمیان

جب گاؤں میں داخل ہوئے تھے علاقے میں فوراً ان کی آمد کی خبر پھیل گئی تھی۔ ان لوگوں کو پروگرام کے تحت چھوٹی حویلی میں ہی ٹھہرنا تھا۔ گاڑی سیدھی حویلی ہی آئی تھی۔ عمر ذوالفقار بھائی کے ہمراہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ حمدہ چاچی مختار کے ہمراہ جیسے ہی گاڑی سے نکلی نگاہ سیدھی عمر کی طرف اٹھی وہ افتخار صاحب سے گلے مل رہا تھا۔ حمدہ کو دیکھ کر عمر کی نگاہوں میں ہمیشہ ابھرنے والا مخصوص تاثر اس وقت غائب تھا۔ حمدہ کو دیکھ کر بھی وہ سخت سنجیدہ رہا تھا۔ اس کے دل میں رہ رہ کر عجیب سا ملال اتر رہا تھا۔ پرسوں رات عمر نے کال کی تھی اس سے بات کرنے کے بعد کل سارا دن کوئی کال نہیں آئی تھی، یہاں کے حالات سے متعلق مسلسل معلومات مل رہی تھیں آج وہ لوگ صبح سویرے نکل آئے تھے مگر اب عمر کا بے تاثر انداز دیکھ کر حمدہ کا دل ملال سے بھرتا جا رہا تھا۔

وہ لڑکی ذات تھی اس نے ایک کانٹوں سے بھری زندگی گزاری تھی، قدم قدم پر پتھروں سے سامنا ہوا تھا وہ بڑی مشکل سے اپنے وجود اور کردار کو سنبھال کر یہاں تک پہنچی تھی ایسے میں وہ عمر ہاشم کے نام کی بدنامی کیسے سہ لیتی کہ یہاں سے بی بی کے ذریعے ملنے والی خبروں میں یہ بھی ذکر تھا کہ باقر علی عمر ہاشم اور اس کے تعلق کو غلط انداز میں اچھالنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ گاؤں والوں کو نکاح والے معاملے سے متعلق بھڑکا سکے۔ ایسے میں اگر وہ عمر سے بات کرنے سے بچ رہی تھی سنجیدگی اختیار کر رہی تھی تو کونسا غلط کر رہی تھی، پرسوں رات سنائی دیئے جانے والے عمر ہاشم کے الفاظ اسے ہرگز نہیں بھول رہے تھے۔

"اوکے...... اب آپ سے تبھی بات ہوگی جب آپ رخصت ہو کر میرے روبرو میرے بیڈروم میں ہوں گی۔" بظاہر یہ الفاظ بے ضرر اور سادہ سے تھے مگر ان الفاظ کو ادا کرتے وقت عمر ہاشم کا جو لہجہ تھا وہ حمدہ کے دل کو ہولائے دے رہا تھا۔ اوپر سے عمر کے دیکھنے کا وہ مخصوص انداز بھی مفقود تھا۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ کیسے اس شخص کو سمجھائے؟ اس نے خاموشی سے وضو کر کے نماز ادا کی۔

سفر کی تھکان تھی نسرین کھانے کا پیغام لے کر آئی تو وہ منع کرتے بستر پر دراز ہوگئی۔ وہ کچھ دیر سو کر اپنے ذہن کو پرسکون کرنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر سو کر وہ باہر آئی تو گاؤں کی کئی خواتین اماں اور بی بی کے پاس آئی بیٹھی تھیں۔ موضوع بحث آج رات ہونے والی پنچائیت ہی تھا۔ باقر علی، عمر اور حمدہ کا ذکر خصوصی تھا وہ کچھ دیر ان کے پاس ٹھہری اور پھر وہاں سے اٹھ کر واپس بی بی کے کمرے میں چلی آئی۔ کھڑکی کے پاس کھڑی وہ باہر لان کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اچانک گیٹ کی طرف سے ایک دم شور اٹھ کھڑا ہوا۔ حمدہ نے دیکھا گیٹ پر عمر تیزی سے باہر جانے کی کوشش کر رہا تھا، پیچھے سے ذوالفقار بھائی نے بھاگ کر اس کا بازو تھام لیا تھا اس لیے عمر نے سختی سے کچھ کہا تھا فاصلہ ہونے کی وجہ سے حمدہ سمجھ نہ سکی تھی۔ بس دونوں کے تیز تیز اونچا اونچا بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں، شاید عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز بھی تھی جسے ذوالفقار بھائی چھیننے کی کوشش کر رہے تھے شور کی آواز سن کر اندر سے خواتین کے علاوہ سلطان بابا، بشیر اور ایک دو ملازم اور اکھٹے ہوگئے تھے اور وہ سب مل کر عمر کو پکڑ چکے تھے۔ حمدہ نے دیکھا ذوالفقار بھائی نے عمر کے ہاتھ سے زبردستی پسٹل چھین کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ اب وہ زبردستی عمر کو بازو کے حصار میں لیے مردانے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ کیا ماجرہ تھا حمدہ سمجھ نہ سکی تھی وہ کھڑکی سے ہٹ کر فوراً باہر نکل آئی تھی۔ ماریہ باجی نڈھال سی بی بی جان کو بازو کے حصار میں لیے اندر آ رہی تھیں۔ ساتھ میں اماں اور دیگر خواتین بھی تھیں یہ سب شور سن کر ہی باہر گئی تھیں۔

"کیا ہوا ہے؟" حمدہ نے آگے بڑھ کر بی بی کا دوسرا بازو تھام لیا تھا۔

"ہونا کیا ہے وہی مردود باقر علی کا قصہ۔" اماں نفرت سے بولیں، حمدہ کا دل بیٹھنے لگا، عمر سخت غصے میں تھا یقیناً کوئی بات ہو چکی تھی۔

"آج صبح ہماری آمد سے پہلے عمر کسی کام سے باہر اڈے کی طرف نکلا تھا راستے میں باقر علی سے مڈبھیڑ ہوگئی

بشیر عمر کے ساتھ تھا' باقر علی نے عمر کو ایسی باتیں کیں جس سے وہ طیش کا شکار ہو کر کچھ سخت کہے' ان کی نیت لڑائی کرنے کی تھی تاکہ رات ہونے والی پنچائیت سے پہلے ہی معاملہ خراب ہوجائے۔ عمر کو اس کی باتوں پر غصا آ گیا تو اس نے اس کی پٹائی کر ڈالی وہ تو شکر ہے کہ بشیر ساتھ تھا جو شور مچانے پر ارد گرد کے لوگ اکٹھے ہوگئے اور باقر علی کو چھڑوا کر لے گئے۔ بشیر بتا رہا تھا کہ اس وقت باقر علی کے ساتھ دو آدمی تھے ان کے پاس ہتھیار وغیرہ نہیں تھے سو بچت ہوگئی۔ جاتے جاتے وہ عمر کو وڈے ڈیرے کی طرف شام سے پہلے پہنچنے کا طعنہ دے کر گیا تھا کہ اگر وہ مرد کی اولاد ہے تو شام سے پہلے وڈے ڈیرے پر آ جائے وہاں وہ اچھی طرح نبٹے گا اور تب سے ہم لوگ عمر کو حویلی سے باہر نکلنے نہیں دے رہے تھے' اب نجانے کیسے نظر بچا کر وہ نکلنے لگا تھا کہ بشیر اور ذوالفقار نے دیکھ لیا اور فوراً روک لیا۔" بی بی کی طبیعت خراب تھی ان کو کمرے میں لا کر لٹانے کے بعد ماریہ باجی اس کے بار بار استفسار کرنے پر ایک طرف لے جا کر بتا رہی تھیں۔

"باقر علی نے عمر کو کہا کیا تھا کہ وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ اس کی پٹائی کر ڈالی؟" حمرہ حیرت و خوف سے ششدر تھی کچھ توقف کے بعد سنبھل کر پوچھا۔

"بشیر ہی بتا رہا تھا کہ عمر کو دیکھ کر پہلے تو اس نے عمر کا رستہ روکا پھر اس نے تمہارے حوالے سے چند باتیں کیں اور جب اس نے عمر سے یہ کہا کہ اگر تم مرد کی اولاد ہوتے تو سب کے سامنے اسی گاؤں میں رہ کر حمرہ سے نکاح کر کے دکھاتے یوں ہیجڑوں کی طرح چھپ چھپا کر منہ کالا نہ کرتے تو اس کے الفاظ ایسے گھٹیا تھے کہ عمر خود پر کنٹرول نہ رکھ سکا اور تمہیں شاید پتا نہ ہو عمر بلیک بیلٹ ہولڈر ہے' اس نے اچھا خاصا پیٹ ڈالا تھا۔ تب سے عمر کا غصے سے برا حال ہے اب بھی وہیں جانے کا ارادہ تھا۔ اگر باقر علی نے عمر کو ڈیرے پر بلایا تھا تو یقیناً ارادے بھی نیک نہیں ہوں گے مگر عمر طیش اور غصے سے یہ نہیں سوچ رہا۔" ماریہ خاصی افسردہ تھی۔ حمرہ کے لیے یہ سب واقعات سخت تکلیف دہ تھے۔

"اب عمر کہاں ہیں؟"

"ذوالفقار مہمان خانے کی طرف لے گئے ہیں۔ بی بی کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ عمر باقر علی کی باتوں کی وجہ سے سخت جذباتی ہو رہا ہے اور ماں جی اس کی وجہ سے پریشان ہو رہی ہیں۔" وہ گم صم سی ماریہ باجی کا چہرہ دیکھ رہی تھی' ماریہ باجی بی بی کی طرف لوٹیں تو وہ بھی ادھر ہی آ گئی۔ بی بی نے اسے دیکھ کر اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ حمرہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"عمر کہاں ہے۔" بی بی نے ماریہ سے پوچھا۔

"ذوالفقار کے ساتھ مہمان خانے کی طرف ہی ہے۔"

بی بی نے سر ہلا دیا اور پھر حمرہ کا ہاتھ تھام کر اٹھ بیٹھیں۔

"عمر بہت جذباتی ہو رہا ہے باقر علی نے نجانے اس سے ایسی کیا باتیں کہہ دی ہیں کہ جب بھی دونوں کا سامنا ہوتا ہے مرنے مارنے کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ آج جو بھی ہوا ہے پتا تو لگ گیا ہوگا تمہیں؟" حمرہ نے محض سر ہلا دیا۔

"میری تو کوئی بات اس پر اثر نہیں کر رہی اتنا سمجھا چکی ہوں' اب رات کو پنچائیت ہے مگر وہ کچھ سن ہی نہیں رہا۔" بی بی خاصی پریشان تھیں۔ حمرہ خاموش رہی وہ بھلا کیا کر سکتی تھی؟

"تم عمر سے بات کرو اسے سمجھاؤ کہ یوں جذباتی نہیں ہوتے۔ گاؤں والے ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ ہمارے حق میں فیصلہ کریں گے۔ ٹھیک ہے مرد ہے اور مرد ہی جذباتی ہوتے ہیں مگر وقت اور موقعے کی نزاکت بھی تو دیکھے۔" بی بی کی بات پر اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

"میں بھلا کیسے بات کر سکتی ہوں؟"

"تم بیوی ہو اس کی...... تمہاری بات اس پر اور انداز میں اثر کرے گی۔ وہ تمہیں اہمیت دیتا ہے تمہارے معاملے کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا رکھا ہے' باقر علی کو کسی بھی طرح کی رعایت دینے کو تیار نہیں۔ وہ تمہیں چاہتا ہے تم اگر اچھے انداز میں بات کرو گی تو تمہاری بات مان لے گا۔" حمرہ تو سچ مچ پریشان ہوگئی تھی۔

"میں بھلا کیا کہوں گی......؟" وہ الجھ گئی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم اور مزاج کی بچی ہو...... نکاح' منگنی ہمارے ہاں محض رسمیں ہیں مگر تم اگر خود ایک بار عمر کے پاس جا کر اسے سمجھاؤ گی اچھے انداز میں بات کرو گی تو وہ سمجھ جائے گا۔" حمرہ بس نگاہ جھکا گئی۔

"میرا ایک ہی بیٹا ہے' میں نے ساری زندگی انہی دو بچوں کے آسرے پر گزار دی ہے۔ عمر نے تمہارا نام لیا تو میں نے انا کا مسئلہ نہ بنایا کہ تم ہر لحاظ سے قبول کی جانے والی بچی ہو...... عمر کے دل کی خوشی کو اہمیت دی کہ میرا بیٹا خوش رہے گا' تو میں بھی خوش رہوں گی۔ اب یہ باقر علی سے جھگڑے والا معاملہ میری تو سمجھو عقل زائل ہو رہی ہے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں' لے دے کر تمہارا خیال ہی آ رہا ہے کہ اگر تم ایک بار عمر سے بات کر لو تو وہ نارمل ہو جائے گا۔" حمرہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"جی بی بی جی میں کوشش کروں گی...... آپ پریشان نہ ہوں۔"

"جیتی رہو...... سدا سہاگن رہو' خوش رہو۔" انہوں نے ایک دم اسے ساتھ لگا کر ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔

......☆☆☆......

مغرب کے بعد حمرہ کے دونوں بہنوئی بھی پہنچ گئے تھے کہ گواہان میں افتخار صاحب کے علاوہ یہ دونوں بھی شامل تھے۔ حمرہ بی بی سے بات کرنے کے بعد انتظار کرتی رہی کہ عمر اندر آئے تو وہ اس سے بات کرے' مغرب کے بعد عمر پنچائیت میں جانے کے لیے تیار ہونے اپنے کمرے کی طرف آیا تھا۔ عمر کے آنے کی اطلاع ملی تو حمرہ' بی بی کو دلاسا دیتے سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئی تھی۔ عمر کے دروازے کے سامنے رک کر ایک پل کو اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔

نکاح کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا تھا جو سادہ تھا مگر خاصا قیمتی اور بوتیک اسٹائل کا تھا۔ اس جوڑے میں اس کی شخصیت کا وقار اور رکھ رکھاؤ کچھ اور ابھر کر سامنے آ رہا تھا۔ اس وقت ہمیشہ کی طرح چادر کی بجائے سوٹ کے ہم رنگ دوپٹے میں ملبوس تھی۔ دروازے پر دستک دیتے حمرہ کو اپنے ہاتھ میں ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس ہوئی۔

"یس......" عمر کی آواز پر اس نے آہستگی سے دروازہ وا کرتے اندر قدم رکھا عمر جو ابھی باتھ روم سے چینج کر کے نکلا تھا تاول سے چہرہ صاف کرتے ٹھٹکا۔

"آپ......؟" حمرہ کو دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں حمرہ کی موجودگی کا قطعی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

"السلام علیکم۔" عمر نے اگلے ہی پل حیرانگی کو پس پشت ڈالتے رخ بدل کر لب بھینچ لیے تھے۔

عمر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگ گیا تھا۔ حمرہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح اس سے بات کا آغاز کرے۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" عمر نے حمرہ کے سوال پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"جی فرمایئے کیسے آنے کی زحمت کی آپ نے؟" چہرہ بلا کا سنجیدہ اور کھردرا لہجہ تھا۔

حمرہ نے لب بھینچ لیے آنکھوں میں بے بسی سے نمی سمٹ آئی۔ کتنا اجنبی لہجہ تھا' اس نے ایک شاکی نگاہ عمر پر ڈالی۔

"یہ باقر علی والا کیا معاملہ ہے۔" اس نے خود پر کنٹرول کرتے عمر کو دیکھا۔

"بس یہی دریافت کرنے آئی ہیں؟" حمرہ خاموش رہی۔

"ایم سوری آپ سے کچھ بھی نہ کہنے کا عہد کیا تھا اور میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ نے کیونکر میرے کمرے میں آنے کی زحمت گوارا کر لی ہے جبکہ مجھ سے کوسوں میل کے فاصلے سے محض موبائل پر بات کرنے سے آپ کے کردار پر حرف آتا ہے۔ ابھی تو آپ کی باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی پھر اس آمد کو کیا سمجھوں؟"

"اف......!" حمرہ کو لگا عمر ہاشم کے اس طعنے پر اس کا سارا وجود زخمی ہو گیا ہے۔ اس نے لب دانتوں تلے دبا کر بہت شکایتی نظروں سے عمر کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کے پاس میرے کسی بھی

سوال کا جواب نہیں۔ جب میرے کسی سوال کا جواب دیں گی تو میں آپ کو آپ کے تمام سوالوں کا جواب دوں گا۔ آپ نے میرے کمرے میں آنے کی زحمت کی ذرہ نوازی ہے آپ کی کہ آپ نے مجھ جیسے حقیر کو یہ عزت افزائی بخشی۔ میرے پاس وقت نہیں ہے چلتا ہوں۔" چند پل کھڑے ہو کر حمدہ کے جواب کا انتظار کیا اور اس کی شکایتی نظروں کو بالکل نظر انداز کیے وہ پلٹا۔ ایک تو اس کا مسلسل طنزیہ انداز اوپر سے اس کے تیور حمدہ کی جان پر بن آئی۔ بی بی کی کہی تمام باتیں یاد آئیں تو گھبرا کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"آپ ایسے نہیں جاسکتے۔ میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گی۔" بہت گھبرا کر ایک دم نہایت قریب آ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے عمر کا بایاں بازو تھام لیا۔

"آپ کو میری بات سننا ہوگی۔" عمر نے بہت چونک کر نہایت استعجاب سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔ وہ اب خود کو مزید پتھر نہیں بنا سکتا تھا' حمدہ کے موی ہاتھوں کا نرم لمس اس کے وجود میں سرائیت کرتا اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا۔

"کیا بات ہے کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟" کچھ تلخی اور برہمی سے کہنا چاہا مگر حمدہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں' آپ مجھے ڈانٹ لیں' ناراض ہولیں۔ پرسوں رات والی تمام باتوں پر برا بھلا کہہ لیں مگر اس وقت ایسے مت جائیں' میری بات سن کر جائیں۔" عمر خود کو جتنا بھی پتھر بنا لیتا مگر اس پل حمدہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ فوراً موم کا پتلا بن گیا تھا۔

"حمدہ... پلیز روئیں مت۔ میں خفا نہیں ہوں' بس آپ کی باتوں نے تکلیف دی تھی' اب اگر آپ روئیں گی تو مجھے مزید تکلیف ہوگی۔" فوراً گھبرا کر بازو سے پکڑ کر اسے چپ کروانا چاہا' حمدہ تو مزید سسکی تھی۔

"حمدہ پلیز......" عمر کی جان پہ بن آئی تھی۔ اسے دونوں کندھوں سے تھاما تو وہ سسک کر اس کے ساتھ آ لگی' عمر حمدہ کی اس حرکت پر ساکت رہ گیا۔

"مجھے معاف کردیں' میں نے جان بوجھ کر آپ کی کالز کو اگنور نہیں کیا' بس خود بخود ہو گیا سب' میں نے وہ سب بکواس کی مجھے معاف کردیں۔ ماریہ باجی اور بی بی سب بہت پریشان ہیں۔ میں آئندہ ایسی بات نہیں کروں گی' آپ جب بھی بلائیں گے میں آپ کے پاس آ جاؤں گی بس آپ وعدہ کریں آپ باقر علی سے نہیں الجھیں گے۔" عمر کو لگا وہ روح تک سیراب ہو گیا ہے۔

"میں کب الجھتا ہوں' وہ خود میرے رستے میں آتا ہے' حمدہ! وہ آپ کے متعلق گھٹیا باتیں کرتا ہے' ایسی باتیں جو کوئی بھی غیرت مند مرد برداشت نہ کر سکے۔ بی بی کی وجہ سے میں نے بہت برداشت کیا ہے مگر آج صبح جب اس نے اس قدر گھٹیا انداز میں مجھے گالی دی آپ کے حوالے سے طعنے بازی کی تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا تھا' جواباً میرا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔ ورنہ میں نے آخری لمحے تک کوشش کی تھی کہ اس سے نہ الجھوں۔" حمدہ کے آنسو اپنے ہونٹوں سے چنتے عمر نے اپنی والہانہ محبت کا احساس بخشا تو حمدہ سٹپٹا کر خود سے ہی نظریں چرا گئی۔ عمر کی گرفت سے نکلنے کی اس نے کوشش نہ کی تھی اور نہ ہی کرنا چاہتی تھی۔

"بی بی بہت پریشان ہیں۔" عمر نے حمدہ کو دیکھا اور مزید گرفت سخت کر کے اسے قریب کر لیا۔

"بی بی نے بھیجا ہے آپ کو؟" براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا۔

"مگر میں آئی تو خود ہوں نا؟" اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا عمر مسکرا دیا۔

"آپ وعدہ کریں آپ باقر علی سے اب نہیں الجھیں گے۔" لمحے تھوڑے تھے کسی بھی لمحے نیچے سے پنچائیت کی طرف جانے کے لیے عمر کو آواز دی جا سکتی تھی اور جانے سے پہلے حمدہ بی بی کی خواہش کے مطابق اس سے وعدہ لے لینا چاہتی تھی اس نے اپنے تمام اصول توڑ کر تمام قاعدے فراموش کرتے اس کی دہلیز پر قدم رکھا تھا بلکہ اس کی پناہ میں اپنے وجود کی خود سپردگی فراہم کرتے ہوئے وہ صرف ایک بات سوچ رہی تھی کہ ایسا کرنے کا حکم بی بی نے دیا ہے وہ بیوی ہے اور ایک بیوی شوہر کو نرم کر سکتی ہے یہ بی بی نے کہا تھا اور بی بی نے اسے بھیجا ہی اس لیے تھا کہ وہ اس کے وجود کو چھو کر ایسا نرم ہو کہ اس کے ساتھ وعدوں کی زنجیر میں جکڑ کر تمام جذباتی پن بھول جائے۔

"آپ اس وقت جان بھی مانگیں تو حاضر کر دوں...... باقر علی کیا چیز ہے۔" عمر مکمل طور پر ان لمحوں کی گرفت میں تھا حمدہ نے ایکدم عمر کی بات پر اس کے ہونٹوں پر اپنا مخملی نرم ہاتھ رکھ دیا۔ عمر کے لیے حمدہ کی خود سپردگی ہی قیامت تھی اس ادا نے بالکل ہی گھائل کر دیا تھا۔ ایک دم اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت و وارفتگی سے جھکا جبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"اوف......" عمر ایک دم ہوش میں آیا تھا اور حمدہ ایک دم اس کی گرفت سے نکلتے پیچھے ہٹی تھی۔

"یہ کون آ گیا اس وقت......؟" وہ سخت جھنجلا گیا تھا۔ حمدہ کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ دل کی دھڑکن حد سے سوا تھی۔

"کون......؟" عمر نے دروازہ کھولنے کی بجائے پوچھا۔

"میں ذوالفقار...... پنچائیت سے پیغام آیا ہے...... ہم کب سے نیچے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔ جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے' وہاں سب انتظار کر رہے ہیں۔" عمر نے حمدہ کی طرف دیکھا وہ رخ بدلے بستر کے کنارے پر جا بیٹھی تھی۔

"آپ چلیں میں بس ابھی آیا۔" عمر نے جواب دیا۔

"جلدی آؤ......" ذوالفقار بھائی کہہ کر چلے گئے تھے۔

"میں چلتا ہوں...... نیچے سب ویٹ کر رہے ہیں۔" وہ حمدہ کے سامنے کھڑا ہوا تو وہ اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"آپ نے وعدہ کیا ہے نا کہ آپ باقر علی سے نہیں الجھیں گے؟" وہ پوچھ رہی تھی وہ ہنس دیا۔

"نہیں الجھتا...... ہاں اگر وہ کچھ کہے گا تو میں چپ نہیں رہوں گا۔" حمدہ نے لب بھینچ لیے تو عمر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"چلیں آپ کہتی ہیں تو تب بھی خاموش رہوں گا...... اب خوش۔" حمدہ دھیرے سے مسکرا دی تو عمر نے گرمجوشی سے اس کے دونوں ہاتھ دبا کر ہونٹوں سے چھو لیے۔

"مجھے یقین ہے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہی ہوگا۔ آپ کا ساتھ ہوگا تو میں سب کچھ برداشت کر لوں گا' ہاں اگر آپ نے ذرا سی بھی پہلوتہی کی تو میں اپنے وعدے پر قائم رہنے کی گارنٹی نہیں دوں گا۔" عمر کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

"میں امید رکھوں نا کہ واپسی پر آپ مجھے اسی کمرے میں منتظر ملیں گی؟" وہ پوچھ رہا تھا اور حمدہ گم صم سی ہو گئی تھی وہ تو یہاں صرف بی بی کے کہنے پر آئی تھی۔ مزید کیا کرنا تھا وہ بے خبر تھی۔

"ہاں...... آپ جب بھی بلائیں گے میں آپ کے پاس ہوں گی۔" ایک پل لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں عمر ہنس دیا۔

"آپ بی بی کو جا کر کہہ دیں آپ امتحان جیت گئی ہیں۔ واپسی پر میں آپ کو آزمائش میں نہیں ڈالوں گا۔ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔" مسکرا کر ہاتھ ہلا کر کہتے وہ کمرے سے نکل گیا تھا اور حمدہ حیرت سے کھڑی عمر کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

......☆☆☆......

ماریہ باجی موبائل کے ذریعے مسلسل ذوالفقار بھائی سے رابطہ رکھے ہوئے تھیں۔ پنچائیت میں ہونے والی تمام کارروائی کی خبر انہیں مل رہی تھی' بی بی سارا وقت جائے نماز بچھائے دعا مانگنے میں مصروف تھیں جبکہ امانی عمر لوگوں کے ساتھ ہی گئی ہوئی تھیں جوں جوں وقت گزر رہا تھا حمدہ کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور پھر دس بجے کے قریب ماریہ باجی کا موبائل بجا اور ذوالفقار بھائی نے انہیں خوشخبری سنائی۔

"مبارک ہو...... فیصلہ ہمارے حق میں ہو گیا ہے۔" کال سننے کے بعد ماریہ باجی کا خوشی سے برا حال تھا انہوں نے حمدہ کو گلے لگایا تھا اور پھر بی بی کو خوشخبری سنانے کمرے میں گھس گئی تھیں۔

باقر علی کی وجہ سے حمدہ نے ایک طویل عرصہ سخت اذیت میں گزارا تھا۔ یہ خوشخبری ایسی تھی کہ اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ کچھ سوچتے موبائل لیے باہر لان میں چلی آئی عمر کا نمبر ملا کر کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم۔" دوسری طرف عمر نے فوراً کال پک کرلی تھی۔

"وعلیکم السلام...... کیسے ہیں آپ؟"

"حمدہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگیا ہے۔" عمر نے بڑے جوش سے بتایا۔

"کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا...... خیریت رہی نا؟" اسے جس چیز کا خوف تھا وہی پوچھا عمر ہنس دیا۔

"آپ سے وعدہ کرکے آیا تھا پھر جھگڑا کیسے ہوتا؟ حمدہ باقر علی نے بہت بکواس کی...... دھمکیاں دی ہیں۔ گالیاں بکتا رہا' مگر اتنے لوگ تھے جو سب ہمارے حامی تھے۔ پھر چاچی کی گواہی اور افتخار صاحب کی موجودگی کی وجہ سے معاملہ منٹوں میں حل ہوا ہے۔"

"اماں کیسی ہیں؟" حمدہ کو فوراً اماں کا خیال آیا۔

"ہم لوگ واپسی کے لیے نکل رہے ہیں۔ گھر آکر بات کرتے ہیں۔" عمر کے دوسری طرف بہت شور تھا حمدہ کی بات پر اس نے کہا۔

"میں انتظار کروں گی......" حمدہ نے کہہ کر کال بند کردی تو فوراً عمر کا میسج آگیا۔

"انتظار کرنے کی یقین دہانی کا شکریہ' مگر میں اب اتنا بے حس بھی نہیں ہوں آپ میرے سامنے ہیں میرے پاس' آپ کو میں سن سکتا ہوں' دیکھ سکتا ہوں میرے دل کی تسلی کو یہ بھی بہت ہے۔ حویلی آتے ہی میں ماں جی سے بس فوراً رخصتی کی بات کروں گا کہ اب فیصلہ ہمارے حق میں ہوجانے کے بعد اس معاملے کو زیادہ لٹکانا نہیں چاہتا۔" حمدہ نے میسج پڑھا اور پھر مسکرادی۔ اسے اب اور شدت سے ان سب لوگوں کی واپسی کا انتظار تھا۔

......☆☆☆......

فیصلہ ہوتے ہی باقر علی اپنے اسلحہ بردار محافظوں کو ہمراہ لیے پنچائیت سے چلا گیا تھا۔ عمر سب سے ہاتھ ملاتا مبارکبادیں وصول کرتا افتخار صاحب کے پاس چلا آیا تھا۔ واپسی کی بات ہورہی تھی' عمر کی جیپ بشیر ڈرائیو کررہا تھا' عمر نے اپنی گاڑی میں چاچی مختار اور ان کے دونوں دامادوں کو سوار کرکے روانہ کیا اور خود ذوالفقار کے ہمراہ افتخار صاحب کی لینڈ کروزر میں آبیٹھا تھا۔ ان کے پیچھے ان کے محافظ تھے۔ یہ سب گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہوئی تھیں۔ یہ لوگ ابھی کچھ دور ہی آئے تھے جب ایک دم کھیتوں سے نکل کر دو آدمیوں نے عمر والی گاڑی پر فائرنگ کردی تھی۔ افتخار صاحب کی لینڈ کروزر ایک دم رکی تھی ان کے عقب میں ان کے محافظوں کی بھی۔

افتخار صاحب کے محافظوں نے بھی جوابی کارروائی کی تھی تو ان دونوں آدمیوں نے اندھا دھند افتخار صاحب کی گاڑی پر بھی گولیاں برسادی تھیں۔ گاڑی بلٹ پروف تھی مگر شیشے ٹوٹ کر لگنے والی گولیاں ان آدمیوں کے ماہر نشانہ باز ہونے کا ثبوت تھیں۔ دونوں آدمیوں میں سے ایک آدمی زخمی ہوکر گرا تو دوسرا بھاگ نکلا تھا' مگر ان دونوں آدمیوں کا ہدف پورا ہوگیا تھا' ایک طرف عمر کے بازو پر گولی لگی تھی جبکہ افتخار صاحب اور ذوالفقار نے جھک کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ اگلی عمر والی جیپ سے چیخوں اور کراہوں کی آوازیں شدید تھیں۔ عمر اپنے زخمی بازو کی پرواہ کیے بغیر دروازہ کھول کر اگلی گاڑی کی طرف دوڑا تھا۔

"عمر ٹھہرو...... رکو......" ذوالفقار بھائی پکارتے رہ گئے تھے۔

اگلی گاڑی میں بشیر اسٹیئرنگ پر اوندھا گرا ہوا تھا' پچھلی نشست پر براجمان چاچی مختار کو کئی گولیاں لگی تھیں' حملہ آوروں کا ہدف ہی عمر کی گاڑی تھی انہوں نے پچھلی سیٹ پر گولیاں برسائی تھیں مگر افسوس وہاں عمر کی بجائے چاچی مختار براجمان تھیں اس وقت ان کا وجود اپنے ہی خون میں نہایا ساکت تھا۔ عمر نے فوراً چاچی کو تھاما...... ان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔

"ذوالفقار بھائی ان کی نبض چل رہی ہے۔ جلدی کریں ہاسپٹل لے کر چلیں۔" نبض دیکھنے کے بعد عمر

چیخا۔ جبکہ چاچی کے دونوں داماد بالکل ٹھیک تھے وہ درمیانی نشست پر تھے اور نیچے لیٹ جانے پر بچ گئے تھے۔ بشیر بھی زخمی تھا اس کے کندھے پر بھی گولی لگی تھی۔ عمر کے اپنے بازو سے شدید خون بہہ رہا تھا اس کی پکار پر افتخار صاحب اور ان کے محافظ فوراً حرکت میں آئے تھے۔

......☆☆☆......

چاچی مختار جانبر نہ ہوسکی تھیں۔ اسپتال لے جاتے ہوئے رستے ہی میں دم توڑ گئی تھیں۔ حمدہ کے لیے یہ حادثہ بہت تکلیف دہ تھا وہ جو بہت خوش کن جذبات لیے ان لوگوں کی واپسی کی منتظر تھی مگر اماں کا بے جان وجود دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔ عمر کو گولی لگی تھی۔ بشیر بھی زخمی تھا وہ لوگ اسپتال ایڈمٹ تھے۔ افتخار صاحب کا غم وصدمے سے برا حال تھا۔ حملہ آوروں کا ایک ساتھی زخمی ہوگیا تھا جسے افتخار صاحب کے محافظوں نے فوراً پکڑ لیا تھا۔ عمر لوگوں کے ساتھ وہ بھی اسپتال میں داخل تھا تاہم پولیس کی تحویل میں تھا۔ وہ شخص اپنے بیان میں بتا چکا تھا کہ ان لوگوں نے باقر علی کی ایماء پر گولیاں چلائی تھیں۔ وہ باقر علی کے ساتھی تھے۔ پولیس فوراً متحرک ہوگئی تھی۔ باقر علی کو گاؤں سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ حمدہ کا صدمے سے برا حال تھا' اس کی دونوں بہنیں نگہت' اور ساجدہ فوراً آگئی تھیں۔ اماں کے تمام رشتے داروں کو اطلاع مل گئی تھی' لندن قمر بھائی کو بھی ان لوگوں نے اطلاع کردی تھی اس نے فوراً پاکستان پہنچنے کا کہا تھا' زندگی میں تو وہ ماں کے کسی کام نہ آسکا تھا مگر موت کے بعد بیوی بچوں کو لے کر آنے کا کہا تھا۔ قمر نے ایک ڈیڑھ دن میں پاکستان پہنچنا تھا اس دوران اماں کی ڈیڈ باڈی برف خانے میں رکھوادی گئی تھی۔ حمدہ بالکل گم صم ہوگئی تھی۔ عمر ایک دن اسپتال میں گزار کر اگلے دن ڈاکٹرز کی ہدایات کے باوجود حویلی آگیا تھا۔ افتخار صاحب ابھی تک گاؤں میں ہی تھے۔ وہ اپنا تمام اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے باقر علی کی واپسی کی تمام راہیں بند کروا رہے تھے۔ اماں ان کی خالہ زاد تھیں ان کی نگاہوں کے سامنے حادثہ ہوا تھا۔ عمر اور بشیر زخمی تھے۔ کیس عام لیول کا نہ تھا باقر علی کی گرفتاری پر اس کی دونوں بہنیں خوب رو دھو رہی تھیں۔ اگلے دن قمر پاکستان پہنچ گیا تو شام کے وقت اماں کی تدفین ہوگئی۔ حمدہ اس سارے عرصے میں بالکل گم صم صدمے سے نڈھال نہ کچھ کھا رہی تھی نہ پی رہی تھی۔ اماں کی میت حویلی سے ہی اٹھی تھی۔ تمام رشتہ دار اور جاننے والے حویلی میں ہی آرہے تھے۔ نگہت اور سارہ باجی بھی حویلی ہی میں تھیں۔ اس کے علاوہ قمر اور اس کی بیوی بچے بھی حویلی ہی آئے تھے۔

عمر کئی بار مردانے سے اندر کی طرف آیا تھا حمدہ کے متعلق اطلاع تو مل رہی تھی مگر ہر بار حمدہ کے پاس کسی نہ کسی کو موجود پاکر وہ بس ایک نگاہ ڈال کر پلٹ جاتا تھا۔ چاچی مختار کے ساتھ ہونے والے حادثے پر وہ خود بھی سخت تکلیف میں تھا۔ چند دن گزرے تو آنے والے مہمان رخصت ہونے لگے جبکہ اب حویلی میں حمدہ لوگوں کے قریبی رشتہ دار ہی رہ گئے تھے' قمر ادھر حویلی میں ہی تھا جبکہ اس کی بیوی چند دن رہنے کے بعد اپنے میکے اپنے بچوں کی ہمراہ روانہ ہوگئی تھی۔ حمدہ اس وقت بی بی کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اس کے پاس نگہت باجی' ساجدہ کے علاوہ قمر' بی بی اور ماریہ باجی بھی تھے۔ موضوع بحث موجودہ حالات تھے۔

"جب تک رخصتی نہیں ہوجاتی میں حمدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ اماں کو گزرے آٹھ دن ہوگئے ہیں۔ صدمے سے اس کا برا حال ہے میرے پاس جاکر شاید کچھ سنبھل جائے۔" نگہت باجی کو حمدہ کی حالت بہت رلا رہی تھی' انہوں نے بی بی کو کہا حمدہ اسی طرح گھٹنوں پر سر ٹکائے بیٹھی رہی۔

"حمدہ کو اگر میں اپنے ساتھ لے جاؤں تو؟" یہ قمر تھا ساجدہ نے خاصی ناراضی سے اسے دیکھا۔

"اماں کی زندگی میں تو یہ خیال نہ آیا...... جب سب سے زیادہ حمدہ اور اماں کو تمہاری ضرورت تھی تم شادی رچا کر پردیس جا بیٹھے۔ اب حمدہ کوئی لاوارث لڑکی نہیں رہی نکاح ہوچکا ہے۔ تمہیں نہ بھی جگہ ہے مگر یہ حویلی تو اس کا گھر ہے

نا۔“ قمر نے ساجدہ کی تلخ بات پر سر جھکا لیا۔

”میں نے بہت کوشش کی کہ میں اماں اور حمدہ کو اپنے پاس بلوالوں مگر اماں ہی اول تو راضی نہ تھیں اپنا گاؤں چھوڑنے پر پھر میں زبردستی تو نہیں لے جاسکتا تھا نا؟ آپ بے شک حمدہ سے پوچھ لیں اس سلسلے میں حمدہ سے بھی کئی بار بات ہوئی تھی مگر اماں اور حمدہ میرے شادی کر لینے کے بعد اس قدر بدظن تھیں کہ میرے پاس جانا تو دور کی بات تھی میں نے آج تک اماں کو جو بھی پیسہ بھجوایا وہ سارا کا سارا جوں کا توں اکاؤنٹ میں پڑا ہوا ہے۔ اماں نے کبھی نکلوایا ہی نہیں...... کئی بار میں نے خود آ کر اماں سے کہا کہ میرے ساتھ چلیں مگر وہ راضی ہی نہیں ہوئیں۔“ قمر کہہ رہا تھا حمدہ تب بھی اپنی مخصوص حالت میں بیٹھی رہی یوں جیسے اسے کسی کی بات سے کوئی غرض نہیں رہی تھی اب۔

”جو بھی ہو چکا وہ ایک طرف، مگر حمدہ کے سلسلے میں کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حمدہ ہماری بہو ہے اور یہ اب ادھر ہی رہے گی۔ اور رہ گئی بات رخصتی کی تو ایسے حالات میں جو تم لوگ مل کر فیصلہ کرو۔“ بی بی نے گم صم بیٹھی حمدہ کو ساتھ لگا کر اپنا فیصلہ سنایا تو وہ تینوں بہن بھائی خاموش ہو گئے تھے۔

......☆☆☆......

وقت سب سے بڑا مرہم ہے، باقر علی گرفتار ہو چکا تھا۔ اس پر قتل عمد کا کیس تھا، اس کی ایماء پر حملہ کرنے والے دونوں آدمی بھی پولیس کی تحویل میں تھے۔ اس پر کیس چل رہا تھا۔ افتخار صاحب خود اس کیس کی پیروی کر رہے تھے۔ ایک ماہ کے اندر اندر کیس نے خاصی پیش رفت کی تھی۔ قوی امید تھی کہ باقر اور اس کے دونوں ساتھیوں کو سزائے موت تو ضرور ہو جائے گی۔

کیس کی سماعت کے دوران حمدہ کو بھی ایک دوبار عدالت جانا پڑا تھا۔ وہ حویلی میں ہی ہوتی تھی۔ نگہت اور ساجدہ چند دن رہنے کے بعد اپنے گھروں کو سدھاریں تھیں کہ وہ گھر بار اور بچوں والی تھیں۔ یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کب تک یہاں گاؤں میں رہ سکتی تھیں۔ قمر بھی کچھ دن گاؤں رہا پھر وہ شہر اپنے سسرال روانہ ہو گیا۔ ماریہ باجی بھی چند دن بعد چلی گئیں تو پیچھے حویلی میں بی بی اور عمر کے ساتھ حمدہ رہ گئی۔ حمدہ نے اماں کی موت کا اچھا خاصا اثر لیا تھا وہ سارا دن قرآن پاک لیے بیٹھی رہتی یا پھر جائے نماز پر بی بی کے کمرے میں وقت گزار دیتی۔ عمر نے چند ایک بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر پھر اس کی طرف سے خاموشی پا کر چپ ہو جاتا تھا۔ عدالت میں بھی وہ عمر کے ساتھ ہی ایک دوبار گئی تھی۔

عمر حویلی آیا تو نسرین سے پتا چلا کہ ماں جی گاؤں میں کسی کے ہاں گئی ہوئی ہیں، جبکہ حمدہ بی بی کے کمرے میں ہی تھی کچھ سوچتے وہ بی بی کے کمرے میں چلا آیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا، حمدہ آج خلاف معمول نماز یا قرآن پاک پڑھنے کی بجائے کھڑکی میں کھڑی باہر لان میں دیکھ رہی تھی۔ عمر چند پل کھڑا اسے دیکھتا رہا، حمدہ اس کی موجودگی سے بے خبر رہی تو اس نے آہستگی سے دروازے کو ناک کیا۔

حمدہ نے پلٹ کر اسے دیکھا عمر قدم بڑھاتا اس کی طرف چلا آیا۔

”کیا ہو رہا ہے......؟“ عمر نے مسکرا کر پوچھا تو وہ سر جھکا کر کھڑکی سے ہٹ کر بستر کے کنارے آ بیٹھی۔

”حمدہ آپ ہر وقت کمرے میں مت بند رہا کریں باہر نکلا کریں۔ جانے والے چلے جاتے ہیں مگر پیچھے رہ جانے والوں کے لیے زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے میں آپ کے دکھ کا اندازہ تو نہیں کر سکتا مگر تسلی و دلاسا تو دے سکتا ہوں۔ یوں ہر وقت گم صم رہ کر آپ خود کو تنہا کر رہی ہیں۔ بی بی بھی آپ کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔“ اس کے اس طرح خاموش انداز پر عمر کو خاصی تکلیف ہوئی تو اس کے پاس ہی بستر کے کنارے آ بیٹھا۔

”کچھ تو کہیں...... رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ ہمارا تعلق ایسا ہے کہ آپ اپنے دل کی ہر بات بلا خوف و خطر مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔“ حمدہ کا ہاتھ دونوں

ہاتھوں میں تھام کر عمر نے مزید کہا تو حمدہ کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے۔ عمر نے پہلے بھی کئی بار اس سلسلے میں بات کی تھی مگر تب وہ صدمے کی شدت سے عمر کی کسی بات پر کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

”میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اماں مجھے یوں اچانک چھوڑ کر چلی جائیں گی۔“ عمر کے جواب میں ایک دم وہ سسک اٹھی۔

”جانا تو سبھی نے ہے ہمیں بھی آپ کو بھی؟ بس ان کا اتنا ہی ساتھ تھا۔“ عمر نے دلاسا دیا تو وہ روتی رہی...... اماں کو یاد کر کے رونے کا تو حمدہ کو بس بہانہ چاہیے تھا۔

”قمر کا فون آیا تھا آج......“ عمر نے اسے رونے دیا اور پھر کچھ توقف کے بعد بتایا۔ اپنے آنسو چادر کے پلو سے صاف کرتے اس نے عمر کو دیکھا۔

”وہ لوگ واپس جا رہے ہیں۔ اسی ہفتے میں کسی دن کی ٹکٹ ہے۔“ عمر نے مزید بتایا۔

”قمر چاہتا ہے کہ آپ ان کے ساتھ چلیں؟“ عمر کی بات پر اس نے چونک کر عمر کو دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔

”وہ اپنے تمام رویوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اپنی بیوی اور سسرال والوں کی وجہ سے اس کی طرف سے آپ اور چاچی کو نظر انداز کیا گیا ہے مگر اب چاچی نہیں رہیں تو وہ آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ آپ گاؤں کے ماحول سے نکلیں گی تو آپ پر اچھا اثر پڑے گا آپ چاچی کی وفات کے صدمے سے کچھ حد تک نکلنے کی کوشش کریں گی۔“ حمدہ کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

”تو پھر......؟“

”قمر کی بات کے جواب میں میرے پاس بھی ایک آپشن تھا مگر پھر میں نے سوچا کہ آپ کو واقعی اس صدمے سے نکلنے کے لیے کچھ عرصہ قمر کی آفر پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“

”آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟“ بجائے اس کے کہ وہ آپشن کے متعلق پوچھتی ایک دم خاصی تلخی سے عمر ہاشم کو دیکھا عمر ذرا سا مسکرا دیا۔

”نہیں میں نے تو قمر کی بات کہی ہے آپ سے......“

”مجھے کہیں نہیں جانا...... ٹھیک ہے قمر بھائی نے اماں کی زندگی میں بھی چند ایک بار بات کی تھی مگر ان کی بیگم نے ہر بار فون کر کے مجھے اور اماں کو جو جو باتیں سنائی تھیں ایسے میں ہم ان کے پاس کیسے چلی جاتیں؟ اب اماں نہیں رہیں اور قمر بھائی چاہتے ہیں کہ میں ان کے پاس چلی جاؤں جبکہ ان کی بیگم نے چند دن یہاں گزار کر دوبارہ آنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ مجھے قمر بھائی سے کوئی شکوہ نہیں، وہ بھی اپنی جگہ مجبور ہیں، مگر میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔“ عمر کے جواب میں اس نے یہ سب کہا۔

”مگر اس طرح ہر وقت کمرے میں بند رہ کر بھی زندگی نہیں گزرنے والی۔ ٹھیک ہے کچھ وقت لگے گا سنبھلنے میں واپس زندگی کی طرف آنے میں...... آپ کے لیے بہت سے لوگ پریشان ہیں۔ نگہت باجی اور ساجدہ دونوں کے دن میں کئی کئی فون آتے ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں وہ آپ کے متعلق کتنی فکر مند رہتی ہیں۔“ حمدہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔

”باقر علی گرفتار ہے عدالت جلد ہی فیصلہ سنا دے گی۔ ہمارا کیس بہت مضبوط ہے۔ وہ بچ نہیں سکے گا۔“ عمر نے اسے مزید بتایا۔

”قمر کی آفر ایک طرف آپ کے لیے میرے پاس بھی ایک آپشن ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر بھی غور کر لیں۔“ حمدہ نے سوالیہ نظروں سے عمر ہاشم کو دیکھا۔

”یہ میری ہی نہیں بی بی، ماریہ باجی، نگہت اور ساجدہ کے علاوہ باقی لوگوں کی بھی رائے ہے کہ سادگی کے ساتھ آپ کی رخصتی کا عمل انجام بخیر ہو جائے۔“ بات ایسی تھی کہ حمدہ کا چہرہ عرصے بعد پہلی بار کچھ گل رنگ ہوا تھا۔ اماں کے بعد تو یوں لگتا تھا کہ جیسے زندگی ختم ہو چکی ہے بس، مگر اب عمر کی بات نے اس کے دل کو عجیب انداز میں دوبارہ سے چھوا تو اسے گزرے دنوں میں بہت سے انمٹ لمحے یاد آنے لگے۔ حمدہ کی پلکوں پر بوجھ بڑھ گیا۔

”ابھی اماں کا صدمہ جھیلے مہینہ ہی گزرا ہے۔ اتنی جلدی کیسے...... اماں کے بغیر یہ سب مشکل ہے؟“ اماں

کی یاد آتے ہی آنسو پھر بہہ نکلے۔ عمر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں جکڑ لیے۔

"آپ جس طرح اس صدمے کو جان سے لگا کر سب فراموش کیے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہیں ایسے عالم میں مجھے یہی فیصلہ مناسب لگ رہا ہے۔ چاچی کے حوالے سے مجھے آپ کے جذبات اور احساسات کا ادراک ہے اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ یہ سب کچھ سادگی سے انجام بخیر ہوجائے تو بہتر ہے۔"

"یہ بہت مشکل ہے ابھی۔"

"ناممکن تو نہیں؟" عمر آج اس موضوع پر تفصیلی بات کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ وہ مکمل طور پر ہر پہلو کو سوچ کر آیا تھا حمدہ نے سر اٹھا کر عمر کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اس کے حق میں مہربان اور محبت بھری نگاہ لیے منتظر تھا۔ حمدہ کی نگاہ سے وہ نجانے کیا سمجھا تھا کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے حمدہ کو بازو سے تھام کر مضبوط حصار میں لے لیا تھا۔

"آپ میرے لیے بہت اہم اور بہت خاص ہیں۔ کسی کے چلے جانے سے زندگی رک نہیں جاتی۔ آپ تو ماشاء اللہ بہت سمجھدار ہیں۔ اتنی جلدی ہمت ہار دیں گی تو پھر باقی زندگی کیسے گزاریں گی۔ آپ میری اولین خواہش ہیں' آپ کو دیکھا اور دل نے آپ کو اپنا مان لیا۔ آپ سے شدت سے محبت کی ہے میں نے' آپ اگر ہزاروں سال انتظار کرنے کو کہیں گی تو میں آپ کی بات کو اہمیت دوں گا' حمدہ اس لیے کہ میں صرف آپ سے محبت نہیں کرتا بلکہ آپ کی عزت بھی کرتا ہوں' آپ کی ذات آپ کی بات میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ ایسے غم اور دکھ کے عالم میں میں بھلا آپ کو تنہا کیسے چھوڑ دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ چاچی کی وفات سے ملنے والے اس گھاؤ پر جو مرہم میری محبت اور دلجوئی رکھ سکتی ہے وہ شاید وقت بھی نہ رکھ سکے۔" عمر دھیمے اور سلجھے لہجے میں کہہ رہا تھا' حمدہ عمر کے سینے پر چہرہ ٹکائے شدت سے رودی۔

ایسی محبت' ایسی توجہ کے وہ بھلا کہاں قابل تھی۔ اور عمر نے اسے رونے دیا وہ خود چاہتا تھا کہ وہ جی بھر کر اس کی پناہوں میں رولے تاکہ بعد میں مطلع بالکل صاف ہو۔ روز روشن کی طرح صاف شفاف۔ کچھ توقف کے بعد خوب رو دھو کر جی ہلکا ہونے پر اس نے سر اٹھا کر عمر ہاشم کو دیکھا۔

"کیا خیال ہے پھر بی بی سے بات کروں؟" عمر کے سوال پر وہ روتے روتے مسکرا دی اور اپنی ہاں کے اظہار کے لیے بس سر اثبات میں ہلا کر دوبارہ عمر ہاشم کے مضبوط سینے پر اپنا چہرہ ٹکا دیا تھا۔

"تھینکس آلاٹ...... حمدہ...... تھینک یو سو مچ......"

حمدہ کی ہاں پر ایک دم پرجوش ہوتے عمر نے اس کی صبیح پیشانی چوم لی تھی۔

حمدہ اس وارفتگی پر شپٹا گئی۔

"میں آپ کے اس اعتماد کو کبھی نہیں توڑوں گا۔ اس ہاں کی ہمیشہ پاسداری کروں گا۔" نہایت والہانہ پن میں کہتے بہت شدت سے حمدہ کو اپنی مضبوط پناہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ حمدہ نے عمر کی شدت پسندی پر مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

زندگی نے اس سے بہت کچھ چھینا تھا مگر عمر ہاشم جیسا محبت کرنے والے جیون ساتھی سے بھی تو نوازا تھا۔ اپنے فیصلے پر وہ خود ہی مطمئن تھی۔ عمر اس کے کان میں قدرے جھک کر آہستگی سے اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا' حمدہ نے اپنی تمام سوچوں کو پس پشت ڈالتے آنکھیں وا کرتے عمر کی محبت بھری سرگوشیوں کو سننے کے لیے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں ٹکا دی تھیں۔

وہ عرصے بعد ہر غم ہر فکر سے آزاد ہو کر زندگی کی خوشیوں کو برتنے پر مطمئن و مسرور تھی۔ اسے یقین تھا کہ عمر ہاشم اسے زندگی کے کسی بھی میدان میں کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا اور یہی یقین دم بدم حمدہ کے چہرے سے غموں کے تفکرات کے بادل مٹاتا محبت کے رنگ بکھیرتا جا رہا تھا۔